

Main tum or yaqeen ne
mohabbat

Aliya Hira

سال خود پر بیتیں تو پتہ چلتا ہے۔ مسافت کیا ہوتی ہے اور منزل کیا۔“
 فردا کی دودھ شریک بہن روماسے سمجھانا چاہ رہی تھی مگر جب فیملے اٹل ہوں تو سمجھانے کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔
 ”فردا! زندگی کو انجوائے کرو اسے مشکل میں نہیں ڈالو۔“

”روما! مجھ سے اکیلے پن کا ایک سال بھی برداشت نہیں ہوگا۔“ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس کا رشتہ مسترد کر کے عمر کا رشتہ قبول کر لیا جائے۔ عمر کے گھر کے تصور سے ہی روماسے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ساس، سرایکونو، دادا، دادی، چار بیٹے، بہوئیں، بچے الگ۔ کم سے کم پچھپے بیٹے کے تین، چار یا پانچ بچے تو ہوں گے۔ ویسے بھی اب کون دیکھتا ہے۔ سب کیبل میں لٹک گئے تھے۔“
 ”پھر آئی کو کیا جواب دوں۔“ اس کی دماغی حالت پر شک کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔
 ”وہی جو تمہیں بتا چکی ہوں۔“ فردا کا اطمینان قابل دید تھا۔

”فردا! یہ نظام زندگی اب تقریباً ختم ہوتا جا رہا ہے، اب لڑکیاں اور ان کے گھر والے ایسے رشتے کی تلاش کرتے ہیں جس میں لڑکا اکایا ہو۔ آگے پیچھے کوئی نہ ہو اور اکیلے گھر میں ان کی بیٹی راج کرے۔“ اس نے ماصحانہ انداز میں کہا۔

”ٹھانڈا ہاٹ تو سب نصیبوں سے ملتے ہیں۔ یہ میری ذاتی خوشی ہے۔ مجھے مانیں، دادیوں سے بھرے گھر اور پیار و محبت کی فضا اچھی لگتی ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام میں ایڈ جسٹ ہو مایرا خواب ہے۔ میں خواب بھی ایسی ہی زندگی کے دیکھتی ہوں۔ آپس کی محبت، یگانگت، جاں نثاری۔“

”اوہیہ! بچینس کے آگے بین بھانا۔ رکاری فرمی، بدگمانی اور الجھنیں بھی اس گھر کی زمین سے پھوٹی ہیں۔“ روماکھڑی ہو گئی۔
 ”سوچ لو۔ ابھی ماتم ہے..... الوداعی ٹکا فردا پر ڈال کر باہر نکل گئی۔

نام تو ہے ہی نہیں..... فردا نے گہری سانس لی۔ ”امی آپنی کے ساتھ ہی میری بھی شادی کرنا چاہتی ہیں۔ آپنی کی ڈیسٹ فکس ہو چکی ہے اور چیز سب تیار ہے۔ میرے لیے دو رشتے ہیں ایک اسد کا جو غیر خاندان کا ہے۔ دوسرا امر کا جو ابو کی فیملی سے ہے۔ امی کو دوسرا رشتہ پسند نہیں اور مجھے ہے۔ مجھے ابو کے خاندان میں شادی کرنا ہے تاکہ امی کے ماروا سلوک کی تلافی ہو سکے۔ ابو کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے، جو طعنے قہقہے انہوں نے سہے تھے ان کا دوا ہو سکے۔“



فردا کے امی ابو کی پسند کی شادی تھی۔ ریحانہ کا خاندان کوئی بہت بڑا نہیں تھا۔ دو حیال اور تنہا ل میں بھی مانی دادی کے بعد کئے چنے رشتے تھے۔ اس کے برعکس فردا کے ابو حیدر کا کنبہ بہت بڑا تھا اور اوپر سے سب ایک ساتھ رہتے تھے۔ ان کی دادی اپنے چار بیٹوں گئے۔ بچے تھے ایک ہی منزل میں رہتی تھیں۔ ایک ہی جگہ کھانا پکاتا تھا۔ سب بہوؤں کی الگ الگ ذمہ داریاں تھیں اور باہمی حسن سلوک اور پر امن ماحول میں افہام و تفہیم سے مل کر رہتے تھے حالانکہ سب غیر واپس آئی تھیں مگر ایک اور بچہ نکلتی تھی۔ کچھ اس میں حیدر کی امی کا بھی ہاتھ تھا۔ سب بچوں اور ان کے بچوں کو آپس میں باہم مربوط اور مضبوط رکھا۔ اپنی زندگی میں وہ بچوں کو الگ الگ نہیں کر سکتی تھیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد انہوں نے بچوں کے سہارے زندگی گزاری تھی۔ اب اگر جوانی میں انہیں بیاہ کر الگ کر دیتیں تو بڑا چاٹا کس کے سہارے کا بنیں۔

یہ ان کا حسن سلوک تھا۔ جو بہوؤں میں نظر آیا تھا۔ مگر سب سے چھوٹی بہو ریحانہ اس ماحول میں ایڈجسٹ نہ ہو سکی۔ ان کی طبیعت کسی اور طرح کی تھی۔ جلد ہی وہ حیدر کو لے کر الگ ہو گئیں۔ پر شور ماحول، ہنگامہ آرائی بچوں کا نفل انہیں اچھا نہیں لگا۔ اماں نے بیٹے کی خاطر صبر کا گھونٹ پی لیا۔

بعض اوقات صبر کا گھونٹ جان لب ہو جاتا ہے۔ حیدر کے جانے کا مشران کے دل و نظر میں ٹھہر گیا۔ موت تو اپنے وقت پر آئی مگر حیدر کے جانے کے بعد زیادہ عرصہ وہ جی نہ سکیں۔

عمران کی سب سے بڑی جیٹھانی نور جہاں کا بیٹا تھا جس کا رشتہ انہوں نے فردا کے لیے مانگا تھا۔ حیدر بہت خوش تھے۔ اپنوں سے ماطہ جڑے گا اور ایک پھر بھوٹی بسری محبتیں، خوشبودار

شاخص بیگی ہوئی راتیں زندگی میں درآئیں گی۔ ان کے بھائی پھران سے ملیں گے اور ان کے جانے نے جو رنجشیں پیدا کر دی تھیں وہ دور ہو جائیں گی مگر..... عمر کا رشتہ آتے دیکھ کر ہی ریحانہ حیدر نے انکار کر دیا۔ عمر سے کہیں زیادہ مضبوط پوزیشن اسد کی تھی۔ اس کا کاروبار پچھل رہا ہے دو ہی بھائی اور دو ہی بہنیں ہیں۔ بہنیں بیاہ دی گئیں ہیں۔ اتنے بڑے محل نما گھر میں بہوؤں کا راج ہوگا۔ عیش ہی عیش جیسا داماد عامر ہے اس کی فکر کا۔“

ریحانہ حیدر کے لہجے میں فخر تھا۔

جبکہ عمر کا بھرا پر اخاندان۔ ان کا تو مشترکہ خاندانی نظام ابھی تک نہیں ٹوٹا، وہ تو میں اپنے زور بازو پر نکل آئی ورنہ میری بھی چکی پس رہی ہوتی۔ کیا دے سکتا ہے عمر فردا کو ایک کمرے کی زندگی۔ اونہہ!“

اتنا مصد گزرنے کے باوجود بھی حیدر کے لہجے کی حلیمی اور محاسن برقرار تھی۔ دھیما پن جوان کی ذات کا حصہ تھا، قائم تھا۔

”ریحانہ! میری دو ہی بیٹیاں ہیں..... اور میں چاہتا ہوں ایک کا رشتہ تم اپنی پسند سے طے کر لو..... کوئی دوسری کام میں۔“ عینک اتار کر ایک ہاتھ سے آنکھیں دبا کر سر اٹھایا۔ ”وایہ کا رشتہ تم طے کر چکی ہو۔ فردا کا میری مرضی سے ہوگا۔“

ریحانہ لب بھینچ کر انہیں دیکھنے لگیں۔

”بہو بے شک تم اپنی مرضی سے لے آنا۔“ اکلوتے بیٹے کے لیے آزاد رائے دی۔

”تو اسد کا انتخاب آپ ہی کر لیں۔ کیا ہو“ اگر وہ میرے جاننے والے ہیں۔“ ریحانہ نے بڑے ہی یقین بھرے انداز میں کہا۔

”نہیں۔ فردا کا رشتہ میں نے عمر سے طے کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ بیٹیوں کا رشتہ طے کرتے ہوئے ہم گھر سے محل تک کی نظر رکھیں۔ محل میں میری بیٹی رہتی ہے میں اسے

ایک کمر دینا چاہتا ہوں۔“

حیدر کے لہجے میں گزرے وقت کی محرومیاں، انگلی باری اور نہ امت تھی۔ ماں اور باپ مختلف نظر سے زندگی کو دیکھ سکتے ہیں۔ چہرے پر دھیرے دھیرے جمولتے ہوئے سرگمما کر انہیں دیکھا جو ان کے سامنے صوفے پر دائیں جانب بیٹھی تھیں۔ قدرے غصیلے انداز، ناراضی بھرے چہرے سے کسی بھی لمحے پھٹ پڑنے کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے نگاہ چرا کر سامنے رکھی کتاب کھول لی۔ اب پانی پلوں کے نیچے سے گزر چکا تھا۔ محبت کا شمار بھی اتر چکا تھا اور تنہائی کا احساس بھی۔ اس لیے اب ریمانہ کے غصے اور آنسوؤں کی پٹکی میں پسے گا ان کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

”وہ کمر نہیں جنم کدہ ہے۔ بھانت بھانت کے لوگ بھرے ہوئے ہیں۔ ایک لمحہ سکون نہیں ملے گا۔ ہر وقت شور و فل، ہنگامہ، کاموں کا بوجھ اور بچن کی دوسری۔ مشترکہ خاندانی نظام اسے بھی پسند نہیں ہے۔ پوچھ لیں اس سے۔ اس کمر کا سکون چھوڑ کر برزخ میں جائے گا۔“ ریمانہ بڑے تنفر انداز میں کہہ رہی تھیں۔

”جہیں کیا علوم کہ برزخ کیا ہوتا ہے اور جہنم کی آگ کیسے جاتی ہے۔“

”خاندان میں ہر وقت تنازعات کی جنگ، گھریلو الجھنیں، آپس کی مچا پٹی اور رنجشیں رہتی ہیں۔ فرد کی طبیعت بہت مختلف ہے۔ چھوٹی اور لاڈلی ہے۔ اس کی عادت میں بچپنا ہے۔ وہ اس نظام کو سہہ نہیں سکے گی۔“ لاچار سے انداز میں سمجھا رہا تھا۔

ایک نگاہ ریمانہ پر ڈالی۔ بعض اوقات نہ چاہتے ہوئے بھی انسان بہت کچھ سہہ جاتا ہے۔ بہر حال یہ طے ہے کہ فرد کا رشتہ عمر سے ہوگا۔ میں بھائی جان کو خالی ہاتھ نہیں لوٹا سکتا۔ اس رشتہ کے نتائج کا ذمہ دار میں ہوں گا۔“ حیدر نے حتمی لہجے میں کہہ کر کتاب کی سطروں پر نگاہ جمائی۔

ریمانہ بیگم خون کا گھونٹ اپنے اندر اتار کر انھیں اور باہر نکل گئیں۔ حیدر نے ان پر ایک اچھتی ہوئی نگاہ بھی نہیں ڈالی۔



”فردا..... اسدا چھالڑکا ہے۔ واثق کا دوست ہے اور تمہیں بہت پسند کرتا ہے۔ وہ انکلی میگزین دیکھتی فردا چونک کر دانیہ کو دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر شرمیلی سی مسکان تھی۔
 ”واثق کہہ رہے تھے کہ فردا سے کہنا کہ میرے دوست کا خیال رکھے۔“ چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔
 ”مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں کسی کا خیال رکھوں۔ ابو کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔
 ”کیا مطلب؟“ اس کی مسکراہٹ کا نور ہو گئی۔

”ظاہر بھائی نے تمہارے لیے فیصلہ کیا ہے اور ابو میرے لیے کریں گے لہذا رونا یا ال بھائی کے لیے ہم سب مل کر.....“ کشن گوڈو میں رکھ کر اسے دیکھا۔
 ”اچھا..... تو اس میں تمہاری مرضی بھی شامل ہے۔ تبھی تو میں کہوں کہ حیدر اس بابت پر زور کیوں نہیں دے رہے۔“ اندر آتی رہی خاندان نے ان کی گفتگو سن لی اور کمرے میں داخل ہوئیں۔
 فردا اچھل ہی تو پڑی۔

اس کے نتائج جانتی ہو تم؟“ ان کا لہجہ سخت ہو گیا۔

”مگر..... امی میں نے تو کچھ نہیں کہا..... اس کا رنگت زرد ہونے لگا پھر وہ اس قدر مثبت انداز میں کیوں فٹو رولے رہے تھے تمہاری۔“ کڑی نظروں سے اسے دیکھا۔ دانیہ دونوں کی شکل دیکھ رہی تھی۔

جی..... وہ ہونٹ رہ گئی۔

”ایک بات کان کھول کر سن لو تم فردا اگر تم نے اس خاندان میں شادی کرنے کی ہامی بھری تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ کیا دے سکتا ہے عمر تمہیں؟ کیا نہیں ہے اسد کے پاس؟ شادی کے بعد پیسہ زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہوتا ہے۔ تم ہر آسائش خرید سکو گئی۔ جب کہ عمر کے پاس گریڈ سترہ کی ملازمت کے علاوہ اور کیا ہے اور پر سے اس کا بھانت بھانت کے چہروں سے بھرا

ہوا خاندان..... تمہیں کلائے گا یا انہیں پالے گا۔“ متفرد انداز میں کہتی وہ فلور کشن پر گریں۔
پالنے کا یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا آ رہا ہے۔ پہلے دادا پھر باپ پھر پوتا اس کے بعد.....“ وہ ہانپ گئیں۔
فردا کو امی کے اس رد عمل کی توقع تھی مگر اتنی شدید نہ تھی۔

”تم پر سکون ماحول کی پیداوار..... اس شور ہنگامے سے پر اکھاڑے میں رہ سکو گی۔“ ایک نئی تاویل۔“ اسد تمہیں ایک شاندار زندگی دے سکتا ہے۔ اس کے ساتھ شادی سے دنیا تمہارے
قدموں میں ہو سکتی ہے۔“

”امی! اس نے حلق تر کر کے نہیں دیکھا“ میں نے تو کچھ نہیں کیا.....“
”مگر تمہارے ابو کہہ رہے ہیں تمہیں ہر قیمت پر اس خاندان میں بیاہنا ہے۔ نتائج کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے اور انہیں یقین ہے کہ تم وہاں ہی خوش رہ سکو گی۔ کیوں؟“ فردا کو غور سے
دیکھا۔

”انہیں اتنا یقین کیوں ہے؟“

فردا کا دل بھرا گیا۔ سر جھکا لیا اسے پا پا پر پیارا گیا۔ اس نے انہیں کچھ نہیں کہا تھا مگر..... وہ کتنے نبض شناس تھے۔

”اگر حیدر تم سے رائے مانگیں تو تم انکار کر دینا۔“

”نہیں..... ماما!“ میں نے بے ساختہ سر اٹھایا۔ ”میں کچھ نہیں کہوں گی۔ مجھے آپ دونوں کی مرضی چاہیے۔“ یہ کہہ کر اس نے ماں کا مان رکھا.....

”مگر وہ میرے بغیر بھی فیصلہ کر سکتے ہیں۔“

”اما اس میں فردا کا کیا تصور ہے وہ اس معاملے میں کیسے بول سکتی ہے۔ آپ کو اس کی کم تخیلی کا اندازہ نہیں۔“ نے ماں کی جانب نرم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اسی لیے تو سمجھا رہی ہوں اور تم بھی اپنے پاپا کو سمجھاؤ۔“ انہوں نے بے چارگی سے کہا۔۔۔۔۔ انہیں حیدر کی ضدی طبیعت کا علم تھا۔ اول تو ضد کرتے نہیں تھے جب کرتے تو انجام بخیر تک پہنچاتے۔ اسد کا رشتہ انہیں دل سے پسند تھا مگر حیدر اتنا ہی اس رشتے کے خلاف تھے۔ اپنوں کی محبت میں نہ جانے کون سا قرض اتارنے کی فکر میں مبتلا تھے کہ سمجھانے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اسی لیے انہوں نے روما سے کہا تھا کہ انہیں سمجھائے۔۔۔۔۔ پتہ نہیں اس نے بات کی یا نہیں۔

ان کے سیل پر۔۔۔۔۔ پپ ہونے لگی۔۔۔۔۔ باہر نکل کر سوچتے ہوئے انہوں نے پہل کان سے لگا لیا۔

دانیہ نے فردا کو بغور دیکھا جو جانے کس خیال میں گم گو میں رکھے کشن پر آڑی ترچھ بکھریں سمجھ رہی تھی۔

”فردا۔۔۔۔۔ کہیں تمہاری مرضی تو نہیں۔“ اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ اس کی بھی تو مرضی ہے کہ میں اسد کے لیے رائے دوں، اسے کچھ کہنا ماما کے غصے کو ہوا دینا ہے۔

”نہیں۔۔۔۔۔ یہ فیصلہ ماما کریں تو بہتر ہے۔۔۔۔۔ اور میری مرضی کیسے ہو سکتی ہے۔ میں کون سا تاپا یا ابو کے کھنکھاتا جاتی ہوں یا وہ لوگ آتے ہیں۔ عمر بھائی کو تو عرصہ ہوا میں نے نہیں دیکھا۔۔۔۔۔ یہ رشتہ تو خالص تایروں کی مرضی سے ہو رہا ہے۔“ کہتے کہتے وہ مسکرائی۔

”ہو رہا ہے۔“ دانیہ نے غور سے اس کی شکل دیکھی۔۔۔۔۔ کیسی گلابی سی رنگت ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔ کچھ بھی کہنا عیب تھا۔ فیصلہ ہو چکا تھا۔ ماما کا ہنگامہ فضول ہے، جیت پاپا کی جیتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے ریوٹ اٹھا کر ٹی وی کھولا۔

”مگر فردا اس قدر بھرے ہوئے گھر میں کیسے رہ سکتی ہے جو انٹ فیملی سسٹم کتنا مشکل نظام ہے سب کو خوش کرنا اور خوش رکھنا۔۔۔۔۔ ا۔ ا۔ ایک مشن ام پائل۔۔۔۔۔“ دانیہ نے جھرجھری لی۔

”بھائی جان کا نوٹ آیا تھا۔ میں نے انہیں سنڈے کو بلوایا ہے۔ ڈنر اور لُنچ کا انتظام کر لیا۔ جواب لینے آرہے ہیں وہ لوگ۔۔۔۔۔“ رات کے کھانے پر حیدر بھائی نے ریجانہ کو دیکھتے ہوئے

کہا تو ان کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔

”جو تیاریاں، جو شاپنگ کرنی ہے اسٹ بٹالو..... انہیں ریمانہ کے جیسے پن کی مطلق پروا نہیں تھی۔

”میں نے آپ سے کہا تھا کہ انکار کر دینا۔“ پلیٹ کھسکاتے ہوئے انہوں نے کہا۔“

”میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ انکار نہیں ہو گا اور کیوں کروں، کس بات کی کمی ہے میری فیملی میں آخر تم بھی تو آئی ہو ماں۔“

زیر لب مسکرا کر ریمانہ کو دیکھا۔ حیدر نے کے موڈ میں نہیں تھان کا چہرہ ٹھٹھکا رہا تھا۔

”میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”میں بھی سیریس ہوں۔“

”آج کل کے حالات کا آپ کو علم نہیں۔“

”خاندانی لوگ کبھی حالات کے چکر میں نہیں پڑتے۔“

”پلیز..... حیدر۔“

”پلیز..... ریمانہ حیدر علی بہتر بہت اچھا لڑکا ہے۔ اسے ایک موقع ضرور ملنا چاہیے اور میں دوں گا۔ تمہاری ہر منت فصول ہے۔“ کھانا ختم کیا اور اٹھ کر چلے گئے۔

ریمانہ نے سر کو دونوں ہاتھوں سے قلم لیا۔

”اما..... بد مزگی سے بہتر ہے کہ پاپا کی بات مان لیں۔“ وانیہ نے مشورہ دیا۔ ”پھر عمر اچھا انسان ہے۔ میرے خیال میں فردا کے ساتھ جوڑ ٹھیک لگے گا۔ اس نے سر جھکائے پاول چنتی

فردا کو دیکھا۔

”اپنی بہن کی معصومیت دیکھو اور پھر اپرا خاندان دیکھو یہٹ ہو سکے گی یہ۔ طرح طرح کے رویے اور سلوک کی عادی ہو سکے گی یہ۔ پھر عمر کی معمولی ماز مت اور اسد کا کپڑوں کا بزنس۔ پٹیلے اور کھر میں بہت فرق ہوتا ہے۔“

”امی!..... ہم قسمت سے نہیں لڑ سکتے۔ دانیہ اور فردا کی قسمت میں بہت فرق ہے۔ ہم دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ انہیں خوش رکھے۔“ دانیال سمجھا رہا تھا اور مردباری سے سمجھا رہا تھا..... مگر وہ کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھیں۔

وہ آخری وقت تک اسد کے رشتے کے لیے لڑتی رہیں مگر حیدر پر مطلق اثر نہ ہوا اور وہ ہار گئیں۔ بار کر رہا نئے انداز میں حیدر کو کہا۔

”اگر میری بیٹی کو کچھ ہو گیا ماں..... یا اس کے ساتھ کچھ ایسا ویسا ہوا تو میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ یہ کہتے ہوئے ان کے آنسو نکل پڑے۔

”تم اپنی بیٹی کے نیک نصیب کی دعا مانگو، مغروض اور اندیشے مت پالو۔ کبھی کبھی ان لوگوں کو بھی آزمائش چاہیے جنہیں ہم اچھا نہیں سمجھتے ہیں۔“

”بات اچھے کی نہیں ہے، بات صرف اتنی ہے کہ عمر اتنا دولت مند نہیں جتنا اسد ہے وہ بہتر آسائشیں دے سکتا ہے، بہتر مستقبل دے سکتا ہے جب کہ عمر.....

”بعض اوقات دل کا سکون آسائشوں سے نہیں پر سکون ماحول اور محبت سے ملتا ہے مگر تم یہ بات نہیں سمجھ سکتیں۔ ہر چیز مادیت نہیں ہوتی۔ ہر چیز پیسے سے تولی نہیں جاسکتی۔ دانیہ اور فردا میں

بہت فرق ہے۔ فردا میرا پر تو ہے۔ جس کو زندگی میں محبت آسکے گی کی طرح چاہیے۔ ہر آن، ہر لمحہ، ہر وقت۔“ ریحانہ کو دیکھتے ہوئے سوچے جا رہے تھے اور وہ جانے کیا کیا بول رہی تھیں مگر

وہ سن کب رہے تھے۔ وہ تو عالم خیالی میں فردا کو خوش و فرم برکھارت میں جکھارتے اور کھکھکاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

ایک بات پر وہ آج تک حیران تھے۔ ان کا مزاج رومانوی، افسانوی تھا۔ انہیں ریحانہ جیسی مادیت پرست عورت سے محبت کیسے ہو گئی اور دل انہیں سمجھاتا..... محبت سوچ سمجھ کر نہیں کی

جاتی، نہ کسی اصول کو ماننی ہے اور نہ ہی نمونہ طے ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی خوبصورت چہرے کے حسن میں گرفتار ہو گئے تھے اور قید با مشقت بجھتے آرہے تھے۔ اس مثل کے مصداق.....
اسنے مانوس ہو گئے ہیں میا دے
اب رہائی بھی ملی تو مر جائیں گے ہم۔



”مظلوم بہو!..... دانیہ آتے جاتے چھپرتی۔“

”کیوں مظلوم کیوں؟“ وہ چہ جاتی۔

”پتہ ہے میں نے اپنی دوست صدف کو بتایا کہ فردا کی شاوی تو جوائنٹ فیملی میں ہو رہی ہے۔ وہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگی۔ بتا رہی تھی کہ جوائنٹ فیملی میں جا کر بہو میں مظلوم ہو جاتی ہیں۔
ان کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔ جس طرف ہانک دیا جائے چل پڑتی ہیں۔ جس کھونٹے سے باندھ لیا جائے بندھ جاتی ہیں۔ کہیں آنے جانے پر پابندی، شوہر کے ساتھ جانے پر اجازت
درکار ہوتی ہے۔ ترس ترس کر کے چو، کھونٹ کھونٹ کر پیو۔“

نانی امی، ان کے گھروالے بہت مختلف ہیں۔ رانیہ، سندس فرج بہت اچھی ہیں۔ ایسی باتیں وہاں ہوتی ہیں جہاں غیریت ہو۔ اپنوں میں اپنائیت ملتی ہے۔“ دانیہ کی باتیں سن کر پریشان
ہونے کے بجائے فردا نے سنجیدگی سے کہا۔

”سسرال والوں کی اچھائی کا تعلق ہم سے ہوتا ہے کہ ہم کتنے اچھے ہیں۔“ دھیرے سے مسکرائی۔

”ہاں۔ کس حد تک دوسروں کی جوتیاں سیدھی کر سکتے ہیں۔“ دانیہ مزاجاً ریحانہ کا پرتو تھی۔ فردا نے ایک نگاہ تغافل اس پر ڈالی۔

دوسرے جب رشتوں میں بدل گئے تو غیر کیسے رہے۔ آپنی ہم کچھ دیں گے تو کچھ لیں گے۔ محبت سے محبت کو خرید سکتے ہیں۔ کج ادائی اور بے مردنی کے بدلے میں ہمیں کشش ہم خن نہیں ملے گا۔“ منکرا کر اسے دیکھا۔ دھیال سے کشش قدرتی تھی اور شاید یہ ہوتا تھا۔ انجانے میں جو غلطیاں حیدر سے سرزد ہو گئی تھیں ان کا ازالہ شاید اسی طرح سے ممکن تھا۔
 منگنی کے بعد عمر سے رشتہ محبت میں بدل گیا۔ ریحانہ اس رشتے سے خوش نہیں تھیں۔ ان کی نظروں میں اسد گھومتا رہتا۔ ہر ماہ بدلنے والی گاڑی۔ بے پناہ آسائش والا کمر، قیمتی اسٹائلش کراکری اور دولت کی بارش.....

وہ ترحم نگاہوں سے دیکھتی تھیں۔ منگنی کے نام پر چار سوٹ مشائی، چمچ اور ہار پھول..... گاہی لباس میں ملبوس فردا پر انہیں بے پناہ ترس آ رہا تھا اور حیدر پر غصہ..... منگنی کے نام پر سارا خاندان آ گیا تھا۔
 ”وہ حیدر سے خفا خفا سی تھیں۔“

ان کی فنگلی تین ماہ رہی اور وہ رخصت ہو کر خیابان جنت آ گئیں۔
 زرق برق لباس میں ملبوس کلکلا تے چہرے۔ ایک دوسرے پر پھینکتے بے ساختہ قہقہے۔ آپس کی نوک جو ٹک..... وہ سب گھونگھٹ کی آڑ سے دیکھ رہی تھی جو اس کے قیمتی سرخ و گولڈن امتزاج کے چمکتے لہنگے پر اوپر سے ڈالا گیا تھا۔

گولڈن شیر وانی اور میرون کالا، گٹھے میں ہار پھول..... عمر اس کے دائیں جانب مسند پر بیٹھا تھا۔ وہ اس کمر کی سب سے بڑی بہو بنی تھی۔ خیابان جنت کی یہ پہلی شادی تھی۔ سب خوش نظر آ رہے تھے۔ تائی امی نے اسے چومتے ہوئے کلائیوں میں جڑاؤ لگن ڈالے ”یہ میری ساس نے مجھے پہنائے تھے اور اب میں اپنی بہو کو پہنا رہی ہوں۔“
 ”امی! کچھ دوسری بہو کے لیے بھی رکھ لیں۔“ یہ مذہم تھا اس کا دیور.....

”ہاں اس کے لیے ڈھیروں دعائیں جہاں۔ ویسے بھی اسے دعائیں لینے کا بہت شوق ہے۔ کیوں غزالی۔“ یہ حدت کی آواز تھی۔ چھوٹے پاپا کی بیٹی تھی۔
 ”شش!..... چپ نہیں رہ سکتی تم۔“ غزالی نے ٹھوکا دیا۔ وہ لوگ شاید اس کے پیچھے تھیں۔

”کتنی پیاری لگ رہی ہے فردا۔“

”ہاں۔ ہاں دلہن بن کر آئی تھی تو اتنی ہی ”پیاری“ لگ رہی تھی۔ خدا کرے یہ ہمیشہ پیاری ہی لگے۔“ چھوٹی امی کی آواز نے چوٹا دیا..... اس نے دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ دائیں جانب تھیں ان کے چہرے پر بڑی عجیب قسم کی روشنی اور چمک تھی۔ تو بچہ کاز نکال رہی پر تھا۔ اس کے پیچھے کھڑی زارا کے چہرے پر دبیز سچیدگی تھی۔ وہ صوفے کے کنارے پر کی ہوئی تھی اور انہیں ہی دیکھ رہی تھی مگر اس کی نگاہ..... جانے کیوں اسے خود پر اس جیبتی نگاہ کا گمان ہوا.....
 اب کچھ چٹائی کی رسم ہو رہی تھی۔ پھر سب نے منہ بیٹھا کرایا اور پھر عذرا اپنی اور نکال باجی اسے تمام کر اس کے بیڈروم میں اوپر لے آئیں۔ سب کز کی فوج ان کے پیچھے تھی۔ سب ایک دوسرے پر ریمارکس کستے، چنچل جملوں کا تبادلہ کرتے.....

سرخ گلابوں اور تسمیں کے پھولوں سے اس کا کمرہ بے حد خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ لمبی ڈانڈیوں والے کاٹھن، گلابی اور زرد فرانسیزی پھولوں کا بو کے پیچھے بیڈ پر لگا ہوا تھا۔ جو بچے ہوئے بیڈ کی رونق میں اضافہ کر رہا تھا۔

چھوٹا راجیل اس کی گود میں بیٹھ گیا چٹکوں سے پورا کمرہ زعفران بن گیا۔ اپنے بٹوے سے رقم نکال کر اسے تھمائی۔

بس!..... چار سبز نوٹوں کو بے چارگی سے دیکھا۔

”چل ماٹھرے۔ کم ہے تو میں لیتا ہوں تو اگلی بار لے لیتا۔“ پیچھے سے جانے کس نے پیسے اچک لیے۔ راجیل ذیل کی طرح پلٹا۔ ”ہیں اگلی بار۔“ سب حیرت سے چہچہے۔

”ان کو پہلے کہنے تو دو پھر اگلی بار کی بات کرنا۔“ ہنستے ہوئے چچی کہہ رہی تھیں۔

”کیا خیال ہے عمر و عیار۔“ سعد ذو معنی انداز میں عمر کی جانب جھکا۔

”ابھی بتا دوں..... اوہ بھی چپک رہا تھا۔ فردا دھیرے سے پہلو بدل کر رہ گئی۔ چند گھنٹوں کی دلہن کے سامنے ایسی باتیں..... اور ان کا چہنچہا ہوا انداز..... بس ایک ان کے چہرے پر

اپنائیت کے رنگ نہیں تھے۔ دھیرے سے انگلیاں مسلتے ہوئے نگاہ جھکا لی۔

کمرہ خالی ہو گیا۔

ایک گہری سانس لے کر اطراف میں نگاہ ڈالی۔ سرخ گلابوں اور جیسیمیں کے پھولوں کے درمیان وہ خود سرخ مروی لباس میں گلاب کا نمایاں پھول لگ رہی تھی۔

تبھی عمر اندر آ گیا۔ سارے خدشے و اندیشے ایک دم سے ذہن سے نکلنے چلے گئے۔

عمر نے اسے خوبصورت سے بریسلٹ کے ساتھ ایک ڈائمنڈ رنگ دی۔

”جسے چاہا اسے پالیا۔ تمہیں کیسا لگ رہا ہے؟“

اور وہ..... مدہوش سی ہنسی ہنس دی۔ وہ بھی تو اس کی اوائل عمر کا خواب تھا۔ اس کی قسمت میں تھا۔ پاپا کی بہادری کی وجہ سے اسے مل گیا اور فردا حیدر ہمدانی انہی قد رشناس لوگوں میں سے

تھی۔

ایک تروتازہ صبح اس پر نثار تھی اور دونوں کے چہرے پر خوشی تھی۔ شبنم کی منھی منھی بوندوں نے ان کے چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا۔

ماشیہ روماء، دانیہ، بھائی اور آنٹی سرورانی تھیں۔

بڑے ہال میں یہاں سے وہاں تک دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ پہلی شادی کا پہلا مہمان..... جی آیا نوں..... سب کی خواہش تھی کہ مجھے جگہ ضرور ملے اور جگہ نہ سہی مہمان پر لقمہ ضرور مل جائے۔ قہقہے، جملوں کا تبادلہ۔ ذومعنی انداز گفتگو اور ملکی آواز میں چلتا ریکارڈ پلیئر۔

”کیسا لگ رہا ہے؟“۔ دانیہ اس کی جانب جھکی۔

اور وہ شرمیلی سی ہنسی ہنس دی۔

anchari.com.pk

ان سب ہجوم کی موجودگی میں۔ ”ہنستے ہوئے طنز یہ انداز میں کہا۔

”اچھا لگ رہا ہے..... یہ سب اس گھر کے لوگ اور یہ میرا گھر ہے۔“

”رات کو میں ایک بات سوچ رہی تھی۔“

”کیا!!؟ آفیل سے کھیلتے ہوئے آپنی کو دیکھا۔

”اس کو بڑی بھابی سے جانے کیا کیا توقعات ہوں گی۔ کیا تم ان توقعات پر پورا اتر سکو گی؟“

فردا بہن کو دیکھتی رہ گئی۔

”مجھے بھی تو ان سب سے بہت سی توقعات ہیں کیا یہ میری توقعات اور امیدیں پوری کر سکیں گے۔ کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہوگا۔ جب تک ایک دوسرے کو آ زمانہ لیا جائے۔“ رمان بھرے انداز میں کہا۔

”کیا فائدہ.....“ کندھے اچکا کر کہتے ہوئے وہ ماما کا پر تو لگی.....

”جب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوگا۔“

فردا گر بڑا کرا سے دیکھنے لگی۔

”وہ ہال میں براجمان کینوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی جو ماسٹر پر ٹوٹ چکے تھے اور آپس میں چھیڑ چھاڑ اور شرارتیں کر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر بڑی پیاری اور شرارتی سی ہنسی تھی۔“

ولیمہ کی تقریب بے حد پروٹا اور بڑی تھی۔ رائل بلوسی گرین اور گولڈن امپیراز کے لپٹکے میں وہ ایک نیا روپ دے رہی تھی۔ سیاہ سوٹ میں مگر بھی کم و جیہ نہیں لگ رہا تھا۔ فردا کے معصوم چہرے پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔ دونوں کی جوڑی شاندار تھی۔

”سب میک اپ کا کمال ہے۔ میک اپ تو کم صورت کو بھی روپ دے دیتا ہے۔ یہ چھوٹی چچی تھیں۔ وہ سب کو دیکھ اور نوٹ بھی کر رہی تھیں۔ چچی نائک کا تیلھا انداز، کیسیل لہجہ اور چبھتی ہوئی نگاہیں..... کیوں؟“

نظر بنا کر مشال کو دیکھنے لگا جو اپنی دوست سے تعارف کروا رہی تھی۔ پنڈال میں مگر اپنے دوستوں سے گفتگو کرتے ہوئے گا بے گاہ ہے ایک نگاہ اس پر ڈال لیتا۔ مسکراتی ہوئی شرارتی سی اور جوانی مسکراہٹ ارسال کر کے وہ نگاہ جھکا لیتی۔ جیسا اس نے سوچا تھا عمر ویسے ہی نکلے۔ بالکل پاپا کا پر تو۔ شائستہ انداز گفتگو، خیال و دھیان والا لہجہ..... اور محبت کی نگاہ..... سب کے چہرے خوش تھے۔ بس اس کی ماما تھیں جو ترجم نگاہوں سے بیٹی کو دیکھتی۔ مظلوم بیٹی، مظلوم بہو کا نام دے رہی تھیں اور لوگوں کی چہ میگوئیاں سن رہی تھیں۔

”ارے فردا کی سسرال اتنی بڑی..... اور جوائنٹ فیملی سسٹم تو ہے..... تو ہے..... ریمانہ کیا لڑکوں کا کال پر گیا تھا۔ اف..... ریمانہ..... بازک سی فردا کیسے سسرال والوں کا مقابلہ کر سکے گی۔ وہ تو تم پر بالکل نہیں لگی۔ کم سخن و کم گوئی سسٹم ہے اس پر.....“

اور وہ اندر ہی اندر بیچ و تاب کھا رہی تھیں۔

”میری بیٹی کو کچھ ہوا تو میں اس جنت کی اینٹ سے اینٹ بھا دوں گی۔ اندر ہی اندر پلاننگ کر رہی تھیں۔ کس سے کس طرح سے نمٹتا ہے۔ کو بھی مشاق بنا دیں گی۔“
”کیسا لگ رہا ہے؟..... روماسر گوشتی میں پوچھ رہی تھی۔“
”فردا ہنس دی.....“

”کم بخت میدان مار ہی لیا۔ اس کے گال پر چنگی بھری..... فردا کی آنکھوں میں چمکیلی سی مسکراہٹ تھی۔“
”اما کو سمجھا روماسر۔ وہ سخت غصے میں اور خفا ہیں۔“

”آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں جانتی ہوں ان کے مزاج سے بہت کرباں ہو کر پھر ان کی غلطی کا گراف نیچے نہیں آتا مگر تم فکر مت کرو۔ اپنا کھرا اور اپنی سسرال دیکھو۔ میں تو دیکھ
دیکھ کر حیران ہو رہی ہوں تمہارے سسرال والوں کو ہنسنے کا کتنا کریز ہے۔ بات بات پر کتنا ہنس رہے ہیں آپس کی چھیڑ خانی۔ اچھی لگ رہی ہے۔ کتنی اپنائیت ہے ان کے انداز میں۔“
روماسر گوشے کی جانب دیکھ رہی تھی جہاں میوزک سسٹم سیٹ تھا اور گلوکار نغمہ سرا تھے۔ اب اسٹیج پر ایک جزیٹین نے قبضہ کر لیا تھا اور ایک کے بعد ایک سر بکھیر رہا تھا۔
”خدا تمہیں مبارک کرے۔“

فردا کی توجہ بھی اس طرف تھی، جہاں رضی گارہا تھا۔ وہی ہنر کو اسٹیج پر لے جا رہا تھا۔



اتنے مزیدار اور خوشگوار ہنستے گاتے دن ہوں گے فردا حیدر تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اپنے کھر کی تنہائی، اکیلا پن، سناٹا، کئے پنے افراد کی موجودگی اسے اچھی نہیں لگتی تھی۔ وہ خود بھی کوئی شور

شراب یا ہنگامہ کرنے والی لڑکی نہیں تھی مگر اسے کمر کا سنا بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ اتنا بڑا کمر تھا۔ اس کی مائی امی، چھوٹی مائی اور چچی سب ساتھ رہتے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے بچے۔

ہر وقت کمر میں مہمانداری کا سا سماں رہتا۔ کچن میں کھانا پکانے کے لیے دو میلر موجود تھے۔ ایک سنائی والی آتی تھی۔ باقی کمر کے کام سب لڑکیاں مل جل اور بانٹ کر کر لیتی تھیں۔ مائی امی اس کی ساس محبت سے جسے کام کہہ دیتیں تو وہ اسے ہی کرنا تھا۔

جوانے فیملی سسٹم میں کام کا بوجھ..... بوجھ ڈھونے والی کا تصور اسے کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ کمر میں ابھی بچے نہیں تھے۔ وہی کمر کی سب سے بڑی بہو تھی۔ خدرا آپنی اور مومنا آپنی کی شادی ہو چکی تھی اور وہ اپنے کمر میں تھیں ان کے دو دو بچے تھے۔

یہاں رہتے ہوئے اسے اکثر احساس ہوتا کہ کمر کے کچھ لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔ ان کا انداز اور لہجہ، تیلھا اور ماتھے پر کیریں رہتیں..... کیوں۔

ایک حوصلے کی اس میں کمی تھی پوچھ نہیں سکتی تھی۔

عمر بہت محبت کرنے والے شوہر تھے مگر کبھی کبھی ان کا انداز، لہجہ اور نظر اندازی اسے ہٹ کر دیتیں اور وہ خاموشی سے باہر نکل جاتی۔ لاؤنچ میں، لان میں کچن میں، کوئی بھی ہوتی۔ وہ ان کے درمیان جگہ بنا لیتی۔ واپس کمرے میں آتی تو سب کچھ ٹھیک ہوتا۔ وہ انکو ر کر دیتی اور عمر معذرت کا ایک لفظ بولتے.....

ماما اور وانی آپنی کے فون اسے اکثر اس کر دیتے۔

وہ ابھی تک اسے مظلوم ہی سمجھتی تھیں۔ حالانکہ وہ انہیں سمجھا چکی تھی۔ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا وہ سمجھتی ہیں۔ وہ نہ دہنی ہے نہ کسی نے دبایا ہے۔

ایسے ہی گزرتے دن وہ ممر کے ساتھ میکنے آتی تھی۔ چلتے چلتے اس نے کہا کہ ماما سنڈے کو کمر آئیے گا۔ امی مجھ سے کچھ پکوائیں گی۔“

ریحانہ اسے ترحم نگاہوں سے دیکھے گئیں۔ ان کی معصوم بچی پورے خاندان کی روٹیاں پکائے گی۔ اسے پہلی فرصت میں سمجھائیں گی کہ عمر کو لے کر الگ ہو جائے۔ بے شک عمر، اسد کے

مقابلے میں امیر ترین نہیں تھا مگر ایک فلیٹ تو انورڈ کر سکتا تھا۔

”اتنی جلدی ابھی تو شادی کو کچھ ہی دن ہوئے ہیں۔“

”بس امی کمر کے بڑے چاہتے ہیں کہ یہ رسم بھی ہو ہی جائے۔“ مسکرا کر عمر کو دیکھا۔

جی چاچی..... ہاں ویسے بھی کچھ کھائے حرمہ ہو گیا ہے۔ سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے عمر مسکرایا۔

”فردا!..... کہاں آتی ہے تمہیں کچھ پکایا۔ میں کچی پکائی بھیج دوں گی۔“

عمر چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

”آٹنی یا ایک رسم ہے، ایک انجوائے منٹ ہے، سب مل کر بیٹھیں گے تو اچھا لگے گا۔ اس کے بارے میں آپ بھی جانتی ہوں گی۔“

”ہاں۔ جانتی تو میں بہت کچھ ہوں مگر فردا کے آرام کے خیال سے کہہ رہی تھی۔“

عمر نے خفگی سے اسے دیکھا اور فردا گڑبڑا گئی۔

”اتنے بھرے پرے کمر میں رہنے کی اسے کب عادت پھراتے افراد کے لیے پکایا.....“ ایک تیر چاہا۔

عمر لب بھیج کر انہیں دیکھتا رہ گیا۔

حیدرئی وی کھا گئے سے اٹھ کر ان کے قریب آ گئے۔ ریسانہ کی گفتگو انہیں اچھی نہیں لگی۔

”مجھے اپنی بیٹی پر پورا بھروسہ ہے.....“ اس کے شانے پر ہاتھ پھیرا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ ”یہ دوسروں کا دل جیتنا جانتی ہے۔“

”میں دیکھو خانہ ماں ٹرائی لے کر آیا کیوں نہیں۔“ ریحانہ بیگم باہر نکل گئیں۔

عمر تم بے فکر رہو بیٹا..... حیدر صاحب نے داماد کی خاموشی کو ٹوٹ کیا۔

”میری بیٹی مل کر بیٹھنا جانتی ہے اور اکیلے پن کے نقصان سے بھی واقف ہے۔ اس سے تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“

اور وہ مجبوراً ہنس دیا۔

”واپسی کے سفر میں عمر غیر معمولی طور پر خاموش تھا۔ فردا ادھر ادھر کی باتیں کہتی رہی۔ وہ ہاں میں جواب دیتا رہا۔ اسے چھیڑنے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔

سنڈے کو کچیر اس نے چائنی اور تائی امی نے پکائی۔ وہ سارا وقت کچن میں رہیں۔ کچن کا بہت خیال اور دھیان رکھتی تھیں۔ ایک تو وہ کھر کی پہلی بہو تھی پھر عمر کی پسند تھی۔ بازک سی فردا حیدر انہیں خود بھی پسند تھی۔ دھیسے دھیسے انداز میں بولتی۔ اس کی مسکان میں بھی مٹھاس تھی۔ اس کا لہجہ بے حد پیارا تھا۔ اس میں چالاکی اور عیاری نہیں تھی۔

جبکہ صولت آرا انہیں وقفے وقفے سے کہتی رہتی تھیں کہ ریحانہ کی بیٹی لا کر آپ نے اچھا نہیں کیا۔ چھٹی ماں ویسی بیٹی دیکھنا کل کو عمر کو لے کر الگ ہو جائے گی اور آپ منہ دیکھتی رہ جائیں گی۔

”ایسا نہیں ہوگا۔“ ان کے لہجے میں جانے کیسا یقین تھا۔

”ریحانہ یوں ہی معصوم دکھائی دیتی تھی۔“

”صولت آرا کو..... محبت آمیز انداز میں دیکھا۔“ فردا ریحانہ کی ہی نہیں حیدر کی بھی بیٹی ہے۔“

”بیٹیاں ماں سے زیادہ سیکھتی ہیں۔“ وہ ہنوز اپنے کبے پر برقرار تھیں۔

”بعض اوقات بیٹیاں باپ کا بھی پرتو ہو جاتی ہیں۔“ ان کے انداز میں شفقت تھی۔ صولت آرا دل مسوس کر رہ گئیں۔

انہیں اپنی رہا ب کا بے حد دکھ تھا۔ انہیں یقین تھا کہ بھابی ان کی بیٹی لے لیں گی..... مگر فردا جانے کیسے شب خون مار گئی۔ ایک آنکھ نہ بھاتی تھی وہ انہیں۔ اس کی جڑیں کاٹنے کی فکر میں تھیں۔ انہیں بس عمر کو مٹھی میں کرنا تھا اور خیابان کی بساط پر ایک پال چل دینی تھی۔

”کچھ تو بڑے مزے کی بیٹی ہے مگر اس میں میری ماں کے ہاتھ کا ڈانٹہ کیوں ہے؟“ ندیم دوسری مرتبہ کچھ لیتے ہوئے بولا۔

”پھر کیسی کچھ ہوئی پاپیے تھی۔؟“

”دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی۔“ رضی بنا۔

”خیر وار کسی نے میری بہو کے کھانے کا مذاق اڑایا۔“

”آہ!..... رضی پیچھے بنا۔

”تورمہ..... چکن کڑا ہی پلاؤ۔“ بس!..... فردا ہنس دی۔

”بھابی کے ہاتھ میں تو جادو ہے۔“ ندیم چکا۔ میرا بھی کام کر دیں ماں۔“..... فردا کے قریب ہو کر جھکا۔

”کیا کام ہے بچہ!؟“ شرارت سے اسے دیکھا۔

”وہ“ کان میں گھسا.....

”کون؟“

Ranchari.com.pk

”وہ.....وہ.....“ غزالی کو دیکھا۔ وہ گھبرا گئی۔ ”میرا مطلب ہے وہ پتک سوٹ والی۔“ فردا نے اس کے اشارے کی جانب دیکھا پھر ندیم کو دیکھ کر بے اختیار ہنس دی۔ ندیم کان کھجانے لگا۔

”ایک بات بتاؤں۔“ اس کی جانب جھکا۔ ”پنک سوٹ والی خاتون سر تاپا بہت مانگس اور اچھی ہیں کیوں کہ وہ میری تائی امی میری ساس ہیں۔“

”کیا ہوا؟“..... سب گھبرا گئے۔ ”اے جوتا گنگھایا جائے۔“ کوئی بولا۔
”ارے دیکھو کیا ہوا جاے.....؟“ تانی امی دہل کر اٹھیں۔

”اُمی!..... ان سے لپٹ گیا۔“ وہائی ہے، وہائی..... سورج کہاں سے نکلا ہے۔ بہو ساس کی تعریف کر رہی ہے۔“

”کوئی کام ہوگا؟“ ایک اور آواز اٹھی.....

”شروع شروع میں ایسے ہی سکے لگتے ہیں اس کے بعد ہری ہری سوجھتی ہے.....“ دھیمی سے سرگوشی نے اسے چوٹا دیا۔

”بلکہ ہری جھنڈی دکھائی جاتی ہے۔“

”جانے کیوں زارا کی جانب نگاہ اٹھی۔ وہ ہمر کی جانب متوجہ تھی اور اسے اپنی پلیٹ میں سے انگوروں سے رہی تھی۔ اس کی انگلی ہی مثال تھی۔ ہر کام۔ بوقت کرتی۔ کھانے کے وقت فروٹ، چائے کے وقت کھانا۔ آرام کے وقت کام۔ جانے کیوں فردا کو لگا کہ عمر پوری طرح زارا کے انگوروں میں دلچسپی لے رہا تھا بلکہ جبکہ کراسے کچھ کہہ بھی رہا تھا۔

”کھیر میں مشاس ڈاڈو کم ہے۔ اور قورمہ میں نمک۔ لگتا ہے فروا تم نے پلاؤ کی پوٹلی میں سونف نہیں ڈالا۔“ چچی جرح کر رہی تھیں۔

”ہو سکتا ہے چچی جان.....“ وہ غلیبی سے انداز میں مسکرا دی۔ برداشت اس نے پاپا سے لی تھی۔ وہ بھی ماما کی باتوں پر یوں ہی ہنس دیتے تھے۔ دوسری بات یہ برداشت کی کہ مرنے اس کی کوکنگ کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ پتہ نہیں اس نے کھائی بھی تھی یا۔ ایک نگاہ تغافل عمر پر ڈالی۔ دونوں کی گفتگو جانے کس مرحلے میں تھی کہ تسلسل جاری تھا۔ نائی امی نے اسے ماک کی لوگ دی۔ چچی نے اسے ایک سوٹ دیا۔ صولت چچی کئی کترا کر گزر گئیں۔

”اچھے اور برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے بیٹا کہ ہر شخص ہمارا ہم مزاج ہو، کسی کا ہم مزاج بننا پڑتا ہے، کسی کو ہم مزاج بنانا پڑتا ہے اور کسی کے ساتھ رشتے کے لیے اپنے اندر صبر و استقامت کے رجحان کو جاننا دینی پڑتی ہے اگر ہم نے اپنی زندگی کو کسی پتلا شیشی کی نذر نہیں کرنا ہے تو۔“

رات میں وہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی تھی۔ رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی۔ عمر ہو چکے تھے۔ اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ کتنی دیر سے بالکونی میں کھڑی۔ تارے گنتی۔ چوں کی سرسراہٹ سختی وہ پاپا کی باتوں کو دہرا رہی تھی۔ تاہم ایک تاسف و ملال ہو رہا تھا۔

اسے عمر کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ کبھی بے تحاشا محبت اور بے تحاشا نفار ہوتا۔ کبھی ایسی بے مروتی و ایسی لافعلی کہ آج احساس کی آواز نکلیں بھگودے۔ اور ہنا کسی معذرت کے ہنا کسی تاویل کے اپنی پناہوں میں بھی سمیٹ لیتا۔ کیوں..... عمر کا یہ رویا اسے اپنی جنگ، اپنی بے عزتی لگتا۔

بحری محفل میں اگنور کر دینا، خلوت میں جلوت بن جانا..... اکثر ہی زارا کو عمر سے کام لینا پڑتا..... اسے ڈومعنی سے دیکھتی، اس کے ساتھ نکل جاتی۔ فردا حساس تھی۔ اور حساسیت پر شکوہ ہوتی ہے۔

ابھی وہ حرف شکایت نہیں کر سکتی تھی۔ کرتی تو کس سے ماما سے وہ تو پہلے ہی کوئی کنزور پہلو ڈھونڈ رہی ہیں تاکہ پاپا کو نیچا دکھا سکیں۔ آپنی سے جو پہلے ہی مظلوم ”بہو“ کا لقب دے چکی تھیں۔

اب اسے یہ معاملہ خود ہی سلجھانا تھا۔ پاپا کے مشورے سے..... مگر پاپا سے مشورہ بھی کیوں؟ یہ کوئی ایسا خاص مسئلہ بھی نہیں تھا۔ اپنے دل کو مطمئن کر لیتی اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو عمر اور تائی امی اس کا انتخاب کیوں کرتے۔“

اس کے دل میں خوشی کی ایک ہر دوڑی۔

دھیرے سے اندر آ گئی۔

”تم سوئی نہیں؟“ ممر پانی پی رہے تھے۔ مسکرا کر فردا نے انہیں دیکھا۔

”پورے چاند کی رات تھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ روشن آسمان اور چمکیلا چاند اچھا لگتا تھا۔“ اپنے بستر پر دراز ہو گئی۔

”اچھا! مجھے بھی بلا لیتیں۔“ وہ مسکرا رہا تھا۔

”آپ گہری نیند میں تھے۔“

Ranchal.com

”گہری نیند!“..... ممر ایک دم سے چونکا مگر میں سویا کیوں؟“

”اس لیے کہ آپ کو نیند آ رہی تھی۔ کشتن بازو کے نیچے رکھ کر پہلو پر کروٹ لی۔

”نہیں!“ ممر نے الجھ کر بالوں میں ہاتھ پھیرا مجھے تو نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ بالکل فریض تھا اور کل ویک اینڈ ہے تو میرا ارادہ بھی کافی پیٹے ہوئے چاند رات کا فسوس دیکھنے کا تھا مگر فردا کو الجھا الجھا لگا۔

”طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟“

”ہاں..... ہاں.....“ اس کی جانب دیکھا۔

”اب بنا دوں کافی۔“ فردا اٹھ بیٹھی۔

”ہاں اچھی سی..... مگر.....“ کہتے کہتے رک گیا۔ فردا بیڈ سے اترتے اترتے چوکی..... اور سر گھما کر اسے دیکھنے لگی۔

”کپ؟“..... نہیں دیا۔ ابھی رات نہیں گزری..... اور چاند بھی پورا ہے۔

”ہاں!..... شوخی ظرافت سے اسے دیکھا۔

”صبح سنڈے بھی ہے۔“

دونوں کی آنکھوں میں شرارت تھی اور دونوں ہی نہیں دیے۔

جلن و حسد کی آگ میں جلتی زارا..... فی وی لاؤنچ میں بیٹھی تھی۔ عمر کے قہقہے کون کر چوکی اور کچن کی جلن پب جاتی فردا کو دیکھتی رہ گئی۔

اس کے دل میں اچنبھا سا خیال ابھرا۔ عمر جاگ رہا ہے جب کہ اس نے تو عمر کے گلاس میں خواب آور کوئی ڈالی تھی اور اس نے خود عمر کو کمرے میں سوتا چھوڑا تھا۔ اب کیسے جاگ رہا تھا تو

کیا یہ تاک تھا۔ ڈرامہ تھا..... یا..... یا کچھ اور.....

اس کے دل میں پتنگے لگ گئے۔

زارا فردا کو کم ہی بلاتی تھی۔ اب بھی وہ عمر کو اپنی منہی میں کر کے فردا کا پیٹھ کاٹ دینا چاہتی تھی مگر جانے کیا بات تھی کہ عمر اس کی منہی میں آ کر بھر بھری ریت کی مانند پھسل جاتا تھا۔ ان کے

درمیان کوئی رکاوٹ نہیں تھی مگر جانے کیسے فردا نے اس کی جگہ پر قبضہ کر لیا اور اس کا سکون لٹ گیا۔

مگر اس وقت فردا کو کچن سے نکل کر اپنے بیڈروم میں جاتے دیکھا۔ کافی کے دو گلاس، کچھ اسٹیکس، کہا ب اور کچیر کا پیالہ۔ ٹرے میں رکھے وہ اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔
 زارا کی آنکھیں جلنے لگیں۔ دل ملنے لگا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فردا کو مار کر اس کی جگہ پر قبضہ کر لے۔

☆☆

بس یہ شروع کے دن ہی ہو۔ تے ہیں اعتماد اور اعتبار کے لیے تم مگر فردا کی دھاک نہ بیٹھنے دو، کم بخت کو سوچیلے بہانے آتے ہیں۔ قبضہ کرنے کے۔ اس کا فون اٹینڈ نہیں کرنے دو اور اس کے کان میں چنگاریاں اتارتی رہو۔ تم خود دیکھنا مگر فردا سے متفرق ہو جائے گا۔
 بجائے سمجھانے کے صولت آرا زارا کو نت نئے مشورے دے رہی تھیں۔ فردا نے کئی نہیں ازلی رقابت اور حسد تھا۔ ان کی چھوٹی بہن حیدر سے منسوب تھی مگر ریحانہ شب خون مار گئیں۔ منگنی فوٹے کے بعد غزالہ خوش نہ رہ سکیں۔ یہی حال زارا کا تھا۔ زارا کی اگر دل لگی کا معاملہ نہ ہوتا تو پھر ٹھیک تھا مگر یہ دل لگی کا معاملہ تھا اور وہ بیٹی کو خوش دیکھنا چاہتی تھیں۔ چاہے اس کے لیے کوئی بھی قیمت چکانی پڑے۔ سو وہ بیٹھا زہر فردا اور بھابی کی رگوں میں اتار رہی تھیں۔
 ”مگر آپ کو کوئی اور کام نہیں ہوتا جو آفس میں ہر وقت فون پر لگے رہتے ہیں۔“ زارا نے اس کے کان میں ہنسنے سے سرگوشی کی۔
 بال میں بیٹھے سب خوش کیوں میں مصروف تھے۔ وسیع و عریض بال کا ہر گوشہ مصروف تھا۔ ایک کونے میں ٹی وی کے نئی جزییشن بیٹھی اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ رہی تھی۔ صوفوں پر تایا ابو اور چچا بیٹھے تھے۔ وہ خود بھی حنا کے پاس بیٹھی تقریب میں پہننے کے لیے ڈریس منتخب کر رہی تھی۔ عمر اور زارا پر گاہے بگاہے نگاہ ڈال لیتی جو جانے کون سی گفتگو میں مصروف تھے۔
 یہ ماحول، یہ منظر ایک دم سے اٹھنے والے قہقہے۔ دبی دبی آوازیں اور حالات حاضرہ پر تبصرہ سے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ کچھ لوگ کینہ تو زی کی دھارا اور نفیبت کی تلوار سے اس کے وجود کا قلع قمع کرنے کے چکر میں ہیں۔

”بھابی! سہو پر نظر رکھیں پہلا قدم ہی ٹھیک پڑنا چاہیے۔ ابھی آپ کو تین بیٹے اور بیٹیاں ہیں خاندان دیکھ کر اعتبار مت کیجیے گا۔“ صولت آرا چھائیہ پھاٹکتے ہوئے جیٹھانی کی جانب جھک کر قدرے سرگوشی میں معنی خیز انداز میں بولیں۔ ان کا ٹھکانا تو پھر فطری امر تھا۔

”آج کا دور ہے ہی خراب..... تو نہیں اور نہیں اور سہی۔ میں نے خود دو پہر میں فردا کو فون پر باتیں کرتے دیکھا ہے۔ کہہ رہی تھی بس آپ فکر نہ کریں میں موقع دیکھ کر بات کروں گی۔“

فرحت بیگم کی آنکھیں سکر کر پھیلے لگیں۔

”ہے کس ماں کی بیٹی ذرا ہوشیار رہا کریں.....؟“ انہوں نے گھٹنا دبا کر اشارہ دیا۔

”نہیں صولت تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“ انہوں نے پان چباتے ہوئے انکار میں سر ہلایا۔

”آپ کو تو میری بات کا یقین نہیں آئے گا خود چیک کر لیجیے گا۔“ خنگی بھرے انداز میں کہا..... فرحت بیگم انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

”بڑی سہو اچھی ہو تو سب اچھی ہوتی ہیں ورنہ ایک کو دیکھ کر سب وہی روش اختیار کر لیتی ہیں۔ یہ گھٹی اپنی ماں کی طرح ہے مجھے کبھی پسند نہیں آتی۔ آپ کو جانے کیا نظر آ گیا۔ زبردستی مرنے کے سر منڈھ دی۔“

”یعنی مرنے خوش نہیں..... ان کے سینے میں پکڑ دھکڑ ہونے لگی۔

”ارے وہ خوش ہوتا تو خوشی اس کے چہرے پر نظر آتی۔ خود دیکھیں اور محسوس کریں۔ اترا ہوا چہرہ، جلی ہوئی رنگت، سرخ آنکھیں جانے کب سے نہیں سویا۔“ جاتے جاتے پھر بیٹھ گئیں..... اور قدرے ان کی جانب سرک کر زہرا گلے لگیں۔

”ڈائن خود کیسی خوش ہے۔“

تبھی نہا کر بال سکھاتی فردا انداز آ گئی۔ چچ کلر کے کاٹن سوٹ میں اس کی رنگت لودے رہی تھی۔ ہاتھوں میں بھری بھری چوڑیاں، کانوں میں جھولنے والے ننھے منے آویزے۔۔۔ کسی بات پر وہ بہت خوش تھی۔

”مائی امی۔ چائے لیں گی۔“

”نہیں!“ انہوں نے برجستہ دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس لڑکی کے ساتھ ان کا بیٹا خوش نہیں حالاں کہ اس کی مرضی سے یہ سب ہوا ہے۔“

”چچی آپ۔“

”میں اتنی چائے نہیں پیتی۔۔۔۔۔ انہوں نے مبالغے کی حد کرتے ہوئے منہ پھیر لیا۔۔۔۔۔ وہ اپنی دھن میں تھی۔ اپنے سیاہ ہموار گھنے بالوں کی آبتا رلیے پاتے گئی۔

ایک وسوسہ تھا جو ان کے دل میں اتر گیا۔

”میں نے تو پہلے ہی کہا تھا سوچا کچھ کر فیصلہ کیجئے گا۔ گھر کی لڑکیاں نظر نہیں آئیں بہت دل تھا مگر کارباب پر مگر آچھ کو بس یہی نظر آ رہی تھی اور مرسدا کا فرماں بردار۔۔۔۔۔ دل مار گیا ماں کے حکم

پر۔۔۔۔۔ اور میری بیٹی۔“ ایک آہی منہ سے نکلی۔

”ارے رشتوں کی کمی اسے بھی نہیں ہے۔ ماموں خالہ بس کر مانگ رہے ہیں مگر بات دل کی ہوتی ہے اور فیصلہ ساری عمر کا۔ انہوں نے حتی الوسع اپنے لہجے میں دکھ درد سمولیا۔“

تیرنٹا نے پر بیٹھا۔۔۔۔۔

فرحت آراگم صم بیٹھی رہیں۔ صولت آرا اٹھ کر باہر نکل گئیں۔ ”بیٹے کی خوشی سے بڑھ کر کیا۔۔۔۔۔ بیٹا ہی خوش نہیں۔۔۔۔۔

فردانوٹ کر رہی تھی کہ نہ کمرے میں آتے ہی بستر پر لیٹا اور سو گیا۔ جب تک وہ آ کر اپنا تکیہ سنبھالتی نہ خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہوتا۔

ایسی غافل نیند..... وہ چوڑیاں اتارتے ہوئے ملول ہو جاتی۔ چوڑیوں کا جلتہ رنگ بھی اسے نہیں کسمساتی.....

اس کا رویہ بھی چپ چاپ سا تھا۔ پیچھے سے انداز میں اسے دیکھتا، نظر چرائیٹا اور کبھی کبھی چوکنہ ہو کر اسے دیکھتا..... اور بے پناہ مصروفیت میں خود کو الجھائے رکھتا۔ ابھی شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا ہے۔ ابھی تو انہیں گھومنے جانا تھا۔ ابھی تو انہوں نے آئینہ کی پلائنگ کرنا تھی اور عمر گریز و فرار اختیار کر رہے تھے۔

نفسے منٹاویں کو اتار کر ہتھیلیوں پر رکھ لیا۔

کتنے دن ہوئے انہیں آپس میں باتیں کیے۔ کتنے دن ہوئے انہوں نے مل کر گوئی چوگر ام نہیں بنایا.....

بس مصروف، مصروفیت اور بے حد کام کا لوڈ.....

وہ اسی کا خواب، وہ شہر اپنا اور..... وہ اس کا آئیڈیل۔

دھیرے سے گہری سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔

ایک بات یاد رکھنا بیٹا..... آئیڈیل کوئی چیز نہیں ہوتی اور کوئی کسی کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ ہر کسی میں کسی کے لیے مکمل پسندیدہ عادات نہیں ہوتیں..... کچھ عاداتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ کچھ بدی جاسکتی ہیں اور کچھ محبت سے قبول کر کے آئیڈیل بنائی جاتی ہیں۔ ان سب پیکروں میں برداشت کا پلو اولین درجہ پر ہے۔ عمر بھی ایک مکمل انسان نہیں ہوگا۔ کئی تمہارے اندر

بھی ہوگی، اب تم لوگوں کو ایک دوسرے کو خامیوں اور خوبیوں سمیت برداشت کرنا ہے۔ اس میں تمہاری حکمت عملی، سمجھداری اور آگہی وادراک کا زیادہ حصہ ہونا چاہیے کیونکہ بہر حال اما اور خودداری میں مردکی برابری نہیں.....“

فردا کو..... پاپا کا دست شفقت سر پر محسوس ہوا.....

صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیاناہ.....

فردا تو آنکھیں کھول لیں۔ سرنگھا کر محو خواب کو دیکھا اور پیاناہ صبر چھٹکا گئے جام بن گیا۔

صبح وہ آفس جانے کے لیے بڑی دل جمعی سے تیار ہو رہا تھا۔ اس کی جانب سے تغافل تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

”خفا ہیں۔“ چوبک کر اسے دیکھا۔

”نہیں تو!..... شیشے میں دیکھنے لگا۔

”پھر اتنے چپ اور اس کیوں ہیں۔“ مسکرا کر شرارت بھرے انداز میں اس کے بازو پر ہاتھ رکھا..... ایک نگاہ اس پر ڈالی۔

”مجھے تو تم لگ رہی ہو..... شادی کے بعد سے لے کر اب تک۔“ شیشے کے آگے سے پلٹتے ہوئے فردا کا ہاتھ جھٹک دیا۔

”میں!!“..... وہ چنبھتے میں رہ گئی.....

”کہیں ہماری شادی کا فیصلہ غلط تو نہیں۔“

اپنا سیاہ بیگ کھول کر چیک کیا۔ کچھ کاغذ راز سے نکال کر رکھے۔ کچھ نکالے، کچھ ٹھیک کیا اور بند کیا اٹھا کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

”بہر حال وقت اتنا نہیں گزرا..... ابھی فیملے پر نظر ثانی کی گنجائش۔“ پلٹتے ہوئے اسے کہا۔

سنائے کی سی کیفیت میں وہ ٹالین پر بیٹھتی چلی گئی۔

”انظر مانی..... فیصلہ..... وقت.....“

فردا نے رکتے دل پر ہاتھ رکھا..... گردشِ دوراں اسے رکتی محسوس ہونے لگی۔

نمر کے گریہ و فزا نے اس کے وجود کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ کیوں، کیوں اس کا کیا قصور ہے؟

فردا کی چپ و گہری خاموشی سوچتا ہوا انداز اور عمر کا طرزِ تغافلِ فرحت بیگم سب نوٹ کر رہی تھیں۔ صولت آرا کی طنز یہ مسکراہٹ اور عمر پر زارا کی توہہ بڑھ گئی تھی۔ خیابان میں شاطرا نہ چال چل پڑی تھی۔

اتنے بھرے پرے کمر میں ایک بھی فرد اس کا نہیں۔ کوئی اس کا حال نہیں پوچھ رہا تھا۔

وہی ہنسی مذاق، شور شراب، آپس کی محفلیں اور انجمنیں..... دل گداز سے انداز میں وہ ان سب کو دیکھتی تھی۔ عمر کے موڈ اور انداز نے اس کا حوصلہ ختم کر دیا تھا۔

تو کیا ماما کے واہے ٹھیک تھے۔ آپنی کی باتیں درست تھیں اور پاپا..... پاپا..... کی یقین دہانی.....

آج پھر ٹیرس پر کھڑی ریٹنگ سے ٹیک لگائے وہ کھٹے بڑھتے چاند کو دیکھتے ہوئے دلِ فکار ہو رہی تھی۔

کیا واقعی عمر کو وہ پسند نہیں تھی یا کوئی اور وجہ تھی؟ صولت آرا آتے جاتے ذو معنی اشارے کرتے ہوئے ہنستی اور فرحت بیگم تیل دیکھ رہی تھیں اور تیل کی دھار۔

”کیا بات ہے عمر اتنے حیران و پریشان کیوں ہو شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں اور تمہاری حالت.....“

عمر جو لاؤنج میں بیٹھائی وی سرچنگ کر رہا تھا۔ چونک کر ماں کو دیکھنے لگا۔

”آفس میں کام زیادہ ہے۔“ پیار سے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”نہیں تو.....“

”پھر کوئی اور وجہ ہے۔“ بنو راس کا جائزہ لیا۔

”کوئی اور وجہ.....“ زیر لب کہہ کر اسکرین پر دیکھنے لگا۔ ”امی!..... اگر فردا کھر جانا چاہتی ہے تو جانے دیں اسے روکیے گامت۔“ اس کا ارٹا ز نہیں ٹوٹا۔

”تو!“ ان کا دل دھک سے رہ گیا۔ ان کا خدشہ ٹھیک تھا۔ صولت کے مغروٹے غلط نہیں تھے۔

”کچھ لوگوں کو عزتیں راس نہیں آتیں اور کچھ لوگ بمسٹری کے لیے مناسب نہیں ہوتے۔

اس کا لہجہ تھکا تھکا تھا..... فرحت بیگم ساکت بیٹھی تھیں۔

یہ..... سب..... تم سے..... فردا نے کہا ہے۔“

”ہاں!“ خاموشی کی زبان میں۔“

”کیوں؟“

”علوم نہیں۔“

”میں اس سے بات کرتی ہوں..... کیا چاہتی ہے وہ۔“

ان کی باتیں سختی زارا ایک پل کو گھبراتی۔

”نہیں اس سے کچھ نہیں پوچھنا۔ کچھ یادیں۔ کچھ باتیں ہوتی ہیں جو ہمارے حق میں نہیں جاتیں۔

فرحت بیگم چپ کی چپ ہو گئیں۔

صولت آرا کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ ان کا منسوبہ کامیاب ہو گیا تھا۔

”میں نے تمہیں کہا تھا ماں۔ شادی کے شروع کے دن ہوتے ہیں میاں بیوی کی محبت مضبوط ہو جائے یا راستے الگ ہو جائیں۔ دل مٹنے کے لیے یہی وقت ہوتا ہے۔ یہ تو اور بھی ہمارے حق میں اچھا ہوا کہ یہ لوگ ہنی مون پر نہیں گئے اگر چلے جاتے تو ہمارا سارا پلان غارت ہو جاتا۔“ صولت آرا بے حد خوش تھیں۔

”غارت کیسے جاتا امی۔ جو میرا نہیں ہو سکا وہ کسی کا بھی نہیں ہو سکتا۔“

”بس جیسے ہی تم اسے طلاق دیتا ہے تو اپنے قدم مضبوط کر لے۔“

”میرے قدم بہت مضبوط ہیں امی، ہمارا بکریاں اور جا ہی نہیں سکتے۔“ زارا کی شاطرانہ آنکھوں میں ہلا کی چمک تھی۔

آسمان کی جانب دیکھتی صولت آرا کے چہرے پر ایسی رمت تھی کہ وہ اڑتی چڑیا کے پر کاٹنا جانتی تھیں۔

جانے کیوں لان میں بیٹھی یہ دونوں عورتیں پہلے دن سے ہی فردا کو اچھی نہیں لگی تھیں حالانکہ شتے میں چچی اور چچا زاد بہن تھیں۔

غزالی نے بتایا تھا کہ زارا عمر بھائی میں ایئر سٹڈ تھی مگر اس میں کوئی خاص نہیں۔ اس کی کوئی بھی محبت پائیدار نہیں تھی۔ کبھی کہیں اور کبھی کسی کے چکر میں رہتی ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش اس کا محور ہے۔ یہ سب باتیں اپنے مخصوص ہنسی مذاق کے ماحول میں ہوئی تھیں۔ ایسے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ فردا نے کسی حسد، رقابت میں مبتلا ہوئے بغیر سوچا۔

جوائنٹ فیملی سسٹم میں جب سب کزنز ساتھ ساتھ رہیں تو ایسی کٹھنی میٹھی محبت جنم لے ہی لیتی ہے۔ اس پسندیدگی کا مزا ہی اور ہے۔ ندیم اور غزالی کی چھیڑ چھاڑ..... سعد کا ذومعنی انداز۔ راجیل کا آدھ کر مدحت کو دیکھنا۔ یہی تو زندگی کے رنگ تھے۔ وہ ایسے ہی رنگوں کی مٹا مٹا سی خیابان تک آئی تھی۔

مگر..... اس کا دل زور زور سے ہورہا تھا۔ آنکھیں پانیوں سے بھر نے لگیں۔ وہ اپنے کمرے کے در پہ سے نکل کر چپ چاپ سوگوار نہیں دیکھتی رہی۔ اداس، پھیکے اور زردی مائل خاموش رنگ اسے کبھی اچھے نہیں لگے وہ تو.....

اپنے کمر میں بھی ایسے ہی ماحول میں رہتی تھی۔ اسے قہر نہیں پر مذاق اور خوشگوار زندگی چاہیے تھی مگر آنسو رخسار پر بہنے لگے۔ تبھی ایک چونکا دینے والا لہجہ آنکھوں کو روشنی منعکس کرنے لگا۔

”مین گیٹ کھلا اور عمر کی گاڑی اندر آ گئی۔ زارا اپنی جگہ سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی اس کی جانب بڑھی۔ گاڑی روک کر کچھ کہا اور پھر محکمہ کرفرنٹ سیٹ پر جائیٹھی۔ دونوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا گاڑی ریسورس ہوئی اور دوسرے لہجہ خیابان کا گیٹ ہی بند نہیں ہوئے لگا اس کا دل بھی بند ہونے لگا۔ ایک چٹختی حس تھی جو اس کے در و دل پر زور زور سے دستک دینے لگی۔ کچن کی کھڑکی سے بلا ارادہ دیکھتیں فرحت بیگم کو یہ منظر بہت عجیب لگا۔

وہ عمر کے مزاج سے واقف تھیں۔ جھکے ہوئے عمر کو آفس سے آ کر آرام، سوفٹ ڈرنک اور سکون چاہتا تھا۔ اور یہ یوں اچانک ہی انہیں فردا سے بات کرنا چاہیے وہ کیا چاہتی ہے۔ اس کا نظر یہ کیا ہے۔ کہیں..... صولت آرا کے زبانی خدشے واہمہ بن کر دل میں قدم رنجو فرمانے لگے۔

”اللہ نہ کرے۔“ سر جھٹکا..... ”میری بڑی بہو ہے، مجھے پسند ہے فردا۔ عمر سے پوچھ کر ہی فیصلہ کیا تھا۔ میں نے اگر اسے پسند نہیں تھی تو سے پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔ اب جو بھی ہو..... اس کو نبھانا اس کی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے ساس نہیں ماں بن کر سوچا۔ سربراہ کو ہی گھر کے ماحول کو منظم و مربوط رکھنا چاہیے۔

عمر سے دو ٹوک انداز میں بات کی تھی تو انہیں فردا کا بھی حال دل پوچھنا چاہیے..... دل ہی دل میں انہوں نے سوچا اور کھڑکی سے ہٹ گئیں۔

”مجھے ایسی عورت کے ساتھ نہیں رہنا جو پرانے معاشقوں کی یاد میں مبتلا رہے۔“

اس کے میکے کی دلیہز پر چھوڑتے ہوئے۔ مرنے والی کی روح نکال کر ساتھ لے گیا۔ لقمہ ووق سحر میں وہ ساکت کھڑی رہ گئی۔

”ارے۔ فردا تم اتنے دنوں بعد۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری رنگت اتنی زرد کیوں ہو رہی ہے؟“

وائٹ سوٹ میں تیار سن گلاسز لگائے ریحانہ حیدر کہیں جانے کے لیے تیار ہو کر باہر نکل رہی تھیں۔ تیز تھقی دھوپ میں سر سبز لان کے درمیان اسے تنہا کھڑے دیکھ کر قریب آئیں۔
”کیا ہوا۔؟“ اس کا رخسار چھو.....

”آں۔ ہاں۔ ممما..... کچھ نہیں؟ دراصل میری کسی کورس کے سلسلے میں دوپٹی جلا ہے تھو تو میں ادھر آ گئی۔“ کہتے ہوئے لاڈ سے ان کے شانے پر سر رکھا۔

”یہ تم نے بہت اچھا کیا.....“ اس کے بالوں کو سہلایا۔ تمہارے سسرال والوں نے سچی کی اجازت دے دی۔ اس کا سر اٹھایا۔ سنہلنے کے لیے ایک لمحو ہی کافی تھا.....
”ان کی اجازت سے ہی آئی ہوں.....“ مسکرا کر کہا۔

چلو اچھا ہوا..... تم آگئیں آج کل میں دانیہ بھی آنے والی ہے۔ امریکہ سے۔ دانیال کی شادی کا اعلان ہو رہا ہے لڑکی دیکھنے میں آسانی ہوگی تم اندر جاؤ..... آرام کرو جو دل چاہے مرضی
کہاؤ..... میں ذرا ایک آفیشل ورک سے جا رہی ہوں شام کو ملاقات ہوگی۔“

چلتے چلتے کہا۔

”پاپا!“

”وہ بھی شام کو آئیں گے۔“ گاڑی میں بیٹھ کر ڈرائیور نے گاڑی باہر نکالی..... گیٹ بند ہو گیا۔

گہری خاموشی ہر سو پھیل گئی۔ دل میں یاس کے بادل موجزن تھے اور آنکھوں میں ایک انجانا سا خوف..... لان کی تیز چمکتی دھوپ اسے جھلسانے لگی۔

وہ لان کی سیڑھیوں پر ڈھسے گی.....

صبر، استقامت اور ضبط اپنی جگہ..... مگر پاپا۔ ماما اتنا غور نہیں کرتیں جتنا پاپا کرتے ہیں۔ کیا حالات حاضرہ کو وہ پاپا سے چھپا پائے گی؟ اس کی پکیں نم ہونے لگیں۔
وہ پاپا کا خاندان تھا اور پاپا کتنے پر امید، پر یقین اور خوش تھے۔ وہ تو یہ سمجھتے تھے جو غلطی وہ کر چکے ہیں اس کا نگارہ ان کی بیٹی ادا کر رہی ہے بلکہ کر دیا ہے۔
جب کہ وہ..... اس نے گھٹنوں پر سر جھکا لیا۔

اس کے کندھوں پر رکھ کر کوئی اور بندوق چاٹا مچا رہا جس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

پاپا کو کیا کہے گی اور پاپا اس کی بات کا یقین کر لیں گے کہ عمر کسی کورس کے سلسلے میں دھنچ گئے ہیں۔

اس کے چہرے پر خوشی نہیں تھی۔ سنا ہوا چہرہ، متورم پکیں چہرے کی اداسی کو لپ اسٹک اور آئی لائنز سے چھپایا تھا لیکن والدین کے اندر ایک حس ہوتی ہے۔ آگہی کی جاننے کی۔ وہ الگ سے اپنے بچے کو پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

”تم ساتھ نہیں گئیں دوہی“ حیدر صاحب کا لہجہ سرسری تھا۔

”وہ مصروف رہتے اور میں بور ہو جاتی۔“

”ارے بھئی..... تمہیں اگر شاپنگ کا شوق نہیں ہے تو ونڈو شاپنگ ہی کر لیتی۔“ دانیال نے لیمن سو فلی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کو یہاں بری لگ رہی ہوں۔“ فنگلی بھرے انداز میں بھائی کو دیکھا..... وہ ہنس دیا۔

”نہیں بہت اچھی لگ رہی ہو۔ کم سے کم میرے سہرے کے پھول کھلنے کے آگے تو پیدا ہوئے.....“ لب بھینچ کر اسے دیکھا۔

”بس میری رہائش یہاں تک ہی ہے۔ اس کے بعد.....“

”کیا ہم تمہیں ساری عمر کے لیے رکھ لیں، پھر آجائے گا جب تک.....“ وانیال نے لڑاکا انداز میں کہا۔ فردا مسکرا دی۔ حیدر ہمدانی غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

بے شک فردا بہت سیدھی سادی تھی۔ وانیہ سے یکسر مختلف..... مگر اس کی ہنسی میں ایک کھنک، ایک نرم تھا جو آج بالکل مفقود تھا یا انہیں محسوس ہوا..... یا فردا عمر کے جانے کی وجہ سے اداس ہو..... بہر حال کوئی وجہ تھی جو آنکھوں کا جامل اور ہونٹوں کا تبسم اداس تھا۔

آفس میں فائلیں چیک کرتے ہوئے جانے کیوں احساس ہوا۔ اور اس کا اظہار انہوں نے ریحانہ سے بھی کر دیا۔ قدرے تحقیر آمیز انداز میں انہوں نے حیدر ہمدانی کو دیکھا اور چپچتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”فردا کے لیے ایسی بات۔ وہ تو آپ کے خاندان میں بیاہی گئی ہے اور آپ کا خاندان تو تمام پرانیوں سے پاک ہے۔ پھر یہ خدشہ کیوں۔“

ریحانہ۔ ”ان کے انداز پر زحمت ہو گئے۔ انسان کو سسرال سے چپقلش نہ ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کبھی بدو بات پر پریشان ہی نہ ہو۔“ انہوں نے پر یقین سے انداز میں کہا۔

”تو پوچھ لیا ہوتا اپنی لاڈلی بیٹی سے.....“ طنز یہ انداز میں مسکرائیں

اب آ یا اونٹ پہاڑ کے نیچے.....

”ریحانہ تم ہاں ہو، ماؤں والی بات کرو۔“

تجبی فردا صبح کا اخبار لے کر ڈانٹک ٹیبل پر آ گئی۔

”صبح بخیر ماما..... پاپا.....“

”بخیر..... اچھا ہوا تم آگئیں تمہارے پاپا کچھ پریشان تھے۔“ بنا لحاظ اور مروت کے انہوں نے ڈائریک فردا سے پوچھ لیا۔

”کیوں..... پاپا..... کیا ہوا؟“ حیدر ہدانی نے بوکھلا کر احمق عورت کو دیکھا۔

”تمہاری وجہ سے پریشان ہیں کہہ رہے تھے کہ تم سے پوچھوں کوئی پریشانی تو نہیں سسرال میں۔ ساس، سرہند، دیور اور دیگر اہل خانہ یا عمر کی جانب سے کوئی تمہیں تنگ تو نہیں کر رہا.....؟“

اپنی بات مکمل کر کے چائے کا گم منہ سے لگا لیا۔

فردا کی ہارٹ بیٹ تیز ہو گئی۔ بمشکل اپنے تاثرات کو کنٹرول میں رکھ کر تھوک نکلتے ہوئے کہا۔

”ایسی تو کوئی بات نہیں۔ پاپا سب بہت اچھے خیال رکھنے والے ہیں۔ بہت اچھا ماحول ہے پھر آپ کو میری نیچر کا پتا ہی ہے۔“

”ہاں۔ انہوں نے گہری سانس لی۔

”بس عمر پہلی دفعہ گئے ہیں ماں تو صرف اس لیے.....“ اس نے وضاحت کی۔

”ہوں۔ انہیں ریحانہ پر غصہ رہا تھا۔

”عمر کا فون آیا..... ٹھیک ہے وہ۔“

”جی پاپا، بالکل خیریت سے ہیں۔“ اس نے مسکرا کر انہیں یقین دہانی کروائی اور اپنے لیے چائے ڈالنے لگی..... اور ساتھ ہی بات بدل کر دانیال کی جانب موڑ دی۔

”فردا.....“ کمرے میں آ کر رو دی۔ اسے پاپا کی محبت کا اندازہ تھا۔

”مگر..... پلیز میرے لیے کوئی ایسا فیصلہ مت کرنا جو میرے پاپا کے اعتماد کو ختم کر دے۔ انہیں اپنے خاندان سے بہت محبت ہے۔ بہت عزیز ہے انہیں سب لوگ..... مجھے جس حال میں رکھو گے میں رہ لوں گی۔ مجھے کفارہ بھی ادا کرنا ہے، بشریت بھی بھائی ہے اور وفا کا تقاضا بھی یہ ہے۔“

اس نے کمر کے لان میں ٹپکتے ہوئے بے حد آزر دہی سے سوچا..... اور وہیں بیڑیوں پر بیٹھ گئی۔ لان کی دھوپ دیوار سے ڈھل کر تیزی سے مغرب سے ملنے جا رہی تھی۔ تنہی بیل بجی اور ساتھی ہی دروازہ کھول کر ندیم اور مسعود اندر آ گئے۔

انہیں دیکھ کر حیرانی ہوئی۔ وہ لوگ اور یہاں.....

”آپ سے ویسے یہ توقع نہیں تھی۔“ ندیم شاکی سے انداز میں کہنا چہ ز پر بیٹھ گیا تھا۔ تو کمر کی ہڈی بہو ہیں، شوہر اگر کسی کام سے باہر چلا گیا ہے تو کیا ہوا ہم لوگ تو ہیں آپ کے سرال والے بعد میں۔ آپ سے کزنز کا رشتہ ہے۔ بھائی دوستی گئے اور آپ ادھر آ گئیں۔“ ندیم کھٹکی بھرے انداز میں شکوہ کر رہا تھا اور وہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔ عمر کچھ مچھ دوہنی گئے ہوئے ہیں اس کا بھرم رہ گیا۔

”کمر میں دوسری شادی کی تیاریاں ہیں اور آپ ادھر..... شوہر سے ناراضی اور کھٹکی اپنی جگہ..... مگر..... ہم سے تعلق کیوں.....؟“

”نہ..... نہیں۔ ندیم ایسی تو کوئی بات نہیں سب ٹھیک ہے۔“ بوکھلا کر اس کی باز پرس کا جواب دیا۔ میں تو کسی سے ناراض نہیں اور شادی..... شادی کس کی؟ حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

”ماہ دولت کی.....“ کب ہوئی مگنی؟“

”آپ کو اس سے کیا۔ لڑکیوں کی طرح منہ پھیرا.....“ اس کے اس طرح سے کہنے پر وہ ہنس دی۔

”یہ جوٹ بول رہا ہے بھائی.....“ مسعود ہنسا۔

”کیوں۔ جل پری سے میری منگنی نہیں ہوئی۔ کالے کھانے والا انداز تھا..... سعد نے ڈر کر پیچھے ہونے کی ایکٹنگ کی۔
”بے شک ہوئی ہے۔“ خود ساختہ۔

ندیم مارنے کو دوڑا..... سعد لان میں بھاگنے لگا۔ فردا اس محبت کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

”شادی کس کی..... اسے پندرہ دن تو ہوئے ہیں یہاں آئے۔

دونوں تھک کر چہرہ پر آ بیٹھے۔

”بے شک وہ کچھ بھی کہے شادی میری جل پری سے ہی ہوگی۔“

ہونہہ..... پرانی شادی میں عبداللہ دیوانہ.....“ سعد باز نہیں آیا۔

”شادی کس کی ہے.....؟“

”زارا کی، اس کے کزن کے ساتھ، شارٹ نوٹس پر وہ امریکہ سے آیا ہے اور اگلے ماہ جا رہا ہے۔ اگلے ہفتے نکاح ہے۔

”سعد..... کارڈ پڑھ کر نشر کر رہا ہو جیسے۔“

فردا عجیب سی ہو گئی.....

”جہاں خوشی کی خبر..... ندیم نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور وہ جانے کیوں طمانیت سے مسکرا دی۔

”سب مراض ہیں آپ سے۔ غیروں والا سلوک کیا آپ نے۔ اب بھائی آئیں تو آپ آئیں گی۔“

”نا..... نہیں..... ندیم..... وہ..... وراصل۔“

ندیم کو ساری بات بتا دے یا..... بھرم رکھے۔“

”کچھ چائے، کچھ پانی ہوگا..... یونیورسٹی سے سیدھے آ رہے ہیں بھو کے پیاسے..... بے چارگی دل سے کہا۔ فردا اسے دیکھ کر ہنس دی۔ سعد اس کے بازو پر۔ کامار نے لگا۔ ابھی کولڈ ڈرنگ سموسوں کے ساتھ کس نے پی تھی۔

تواب ہم چاچو کے گھر سے بھو کے تو نہیں چا سکتے..... کیوں! یہ سب سن کر فہما بلکی پھسکی ہو گئی تھی۔ ہنستے ہوئے انھی اور بکن کی جانب بڑھ گئی۔

پچھلے ڈیڑھ ماہ سے کتنی پریشان تھی۔ عمر کی کوئی خبر نہیں۔ کوئی رابطہ نہیں تھا۔ گھر والوں نے بھی کوئی فون نہیں کیا۔ جانے کیا کیا سوچ رہے ہوں گے اس کے بارے میں۔ رات لستر پر لیٹ کر بڑے پرسکون انداز میں سو چا۔

میں تائی امی کے سامنے سب کہہ دوں گی۔ کوئی لحاظ، کوئی مروت نہیں کروں گی۔ میرا گھر بے وہ میں چھپاؤں جب کہ میرا کوئی قصور بھی نہیں..... کروٹ بدل کر وہ درپے سے باہر دیکھنے لگی اگر عمر کو مجھ سے کوئی شکایت تھی تو کہنا چاہیے تھی۔ ابھی ہماری شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا ہے۔ میں ان کو کتنا جان سکتی ہوں اور وہ مجھے کتنا جان پائے۔ درمیان میں مارا نسیاں، ٹھکیاں کتنی رہیں اور پھر یہ دوریاں..... فردا انگلیوں پر حساب کرنے لگی۔ جواب پر شکوہ آیا۔ ساتھ ہی عمر کی کج روئی پر آنکھ بھرا آئیں۔ اوائل دنوں کی محبت اور شمار نے آنکھیں نم کر دیں۔

ندیم کا فون آیا۔ زارا کے نکاح میں آتا ہے تو میں لینے آ جاؤں۔“

فردا لمحہ بھر کو چپ سی ہو گئی۔

نہیں..... ندیم تمہارے بھائی مجھے چھوڑ کر گئے ہیں وہی مجھے لینے آئیں۔“

”تو جو میں سوچ رہا ہوں وہی بات ہے۔“

فرہا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”اس زارا کی بچی کی شادی نے جانے کس کس کو شک پہنچایا ہے اور جانے کس کس کو اس شک سے نجات ملے گی۔“

فرہا گہری سانس لے کر خاموش رہی۔

آپ کی بات بھی درست ہے۔ میں امی کو سمجھاتا ہوں وہ بھی آپ سے مارا نہیں ہیں۔ اوپر سے بھائی کا فون بھی نہیں آیا..... وہ تو اس صدمے سے نڈھال ہوں گے۔ میرے خیال میں آپ کا

نکٹ کٹا دیتا ہوں۔ وہی کے ایک نکٹ سے دوسرے۔ بھائی کو آنسو بہانے کے لیے کپڑا بھی مل جائے گا اور وہیں آپ کا ہنی مون بھی ہو جائے گا۔“

ندیم.....!!! وہ کانوں تک سرخ ہو گئی۔

وہ کلکھلا کر ہنس دیا۔

تائی امی کو میرا سلام کہنا۔

خود کہہ بیجیے گا ساس ماں کو سلام..... ندیم نے فون بند کر دیا۔

وہ کتنی دیر تک عمر کی بات کے زیر اثر رہی۔

عمر..... عمر کا کیا رد عمل ہو گا زارا کی شادی پر..... اور زارا..... زارا کیسی لڑکی ہے کیا وہ دوسروں کا گھرا جاؤ کر کسی اور کی ڈولی میں بیٹھ سکتی ہے۔ کیا وہ اتنی خود غرض، مہذب اور ہوس پرست ہے۔

اس کے کردار میں اتنا جھول ہے کہ وہ.....

فردا نے بڑی کراہیت سے سوچا۔

☆☆

وانیہ نہیں آئی۔ اس نے ماما کے ساتھ مل کر وانیال کے لیے لڑکی فائل کر لی اور ڈائریکٹ شادی کی تاریخ لے لی۔ وانیہ نے شادی پر آماتھا۔ وہ ماما کے ساتھ مل کر تیاریاں کروانے لگی۔۔۔۔۔
ندیم اسے خیالان کی خبریں دے جاتا۔۔۔۔۔ اور اس نے ندیم کو رازواں بنا لیا اور اس نے سب کچھ اپنی امی کو بتا دیا۔

اگلے دن وہ چلی آئیں۔ اسے محبت سے سینے سے لگایا۔ پر شفیق شانہ پا کر وہ ہنس سکا۔

”میں تم سے مارا غش تھی، شاکی تھی۔ تم نے مجھے ساس سمجھا۔ ماں نہیں تو تانی سمجھ کر ہی دیتی کر لیتیں۔ بے وقوف لڑکی مجھ سے کچھ کہتی تو۔ عمر کچھ اور کہتا اور سمجھتا رہا۔ تمہاری جانب سے اور میں زارا کی بڑھتی ہوئی دوستی دیکھتی رہی۔ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا تھا۔ زارا کو میں نے کبھی بہو بنانے کے لیے نہیں سوچا تھا اگر سوچتی تو اسے بنا لیتی اور نہ ہی مرنے کبھی عندیہ ظاہر کیا تھا اس قسم کا۔ مجھے زارا جیسی بے باک، زبان دراز لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔

بجیگی۔ متورم پلکوں کے ساتھ سراسخا کر انہیں دیکھنے لگیں۔

مجھے تم جیسی لڑکی چاہیے تھی۔ وہ بھیگا ہوا رخسار چھوتے ہوئے بولیں۔ حالانکہ سب نے میری مخالفت کی تھی۔ تم اپنا بیٹا کھودو گی مگر مجھے تم اچھی لگتی تھیں۔ خاموش، بنگھڑا اور زک سی فردا حیدر۔
فردا کے اٹھ بہہ نکلے۔۔۔۔۔

”میں خاموشی سے تم دونوں کے رویے دیکھتی رہی اور جائزہ لیتی رہی۔ بھڑکانے والے مجھے بھڑکاتے رہے مگر میں کچے کانوں کی نہیں تھی۔ ایک عمر گزار کر تجربہ کار بنی ہوں، مسکراتے ہوئے بولیں۔“ میری اور صولت کی کبھی نہیں بنی مگر میں بنگھڑا لوعورت نہیں ہوں۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ نقص امن کا خطرہ درپیش رہتا ہے۔ خاموش

رہنے سے کمر بستے ہیں اور نہ بچتے ہیں۔ اپنے حقوق، اپنے کمر، اپنے مرد کے لیے بولنے کا حق سب کو ہے بیٹا۔“ سمجھاتے سمجھاتے اس کے اشک سینے۔
”اچھا ہوا..... زارا کا نکاح ہو گیا اور وہ چلی گئی..... میں مرنے کے کانٹے نہیں ہوں اور تمہاری خبر کھرنے لے جا کر لوں گی۔“
فردا ان کے شانے سے لگ گئی۔ کتنی اچھی تھی مائی امی۔

”بڑوں کے تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔“
”مجھے ڈر لگتا تھا.....“ دھیرے سے کہا۔

”شادی کے بعد عورت کو کمزور نہیں بلکہ مضبوط ہونا چاہیے۔ لوگوں کو دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کا فن آتا ہے۔“ اس کے بال سنوارتے ہوئے بولیں۔ فردا ان کی باتوں پر ایمان لے آئی۔

”کھر چلنا ہے۔“ مائی امی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا..... یا مرنے کے ساتھ جا لے۔“ اس نے نگاہ جھکا لی۔
”وہ کون ہیں؟.....“ خفگی سے کہا۔
فرحت آرائس دیں۔

”وہ ایک پیارا سا بچہ..... اچھا سا لڑکا بس ذرا سا۔“ اسے چھیڑتے چھیڑتے رک گئیں۔
”جی نہیں..... وہ بس ذرا سے..... نہیں ہیں پورے کے پورے“ کہتے کہتے رکی..... اگلا جملہ سمجھ میں نہ آیا..... محبوب سی ہو گئی۔
”کیا پورے کے پورے.....“ شرارت سے کان اس کے قریب لائیں۔ اور وہ ہنستے ہوئے ان کے شانے سے لگ گئی۔

اندرا آتے حیدر صاحب نے یہ منظر دیکھا۔

”کیا بات ہے ساس بہو کی؟..... ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

”میں اپنی بہو کو لینے آئی ہوں مرنے سے تو کیا ہوا میں تو ہوں ماں۔“

”انہوں نے ہنستے ہوئے کہا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟..... اور فردا کو دیکھا۔

”ماں راض تو میں صولت بھابی اور بھائی جان سے ہوں زارا کی شادی میں نہیں بلایا غیر تھوڑی تھی وہ۔“

”ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ بس چاک ہی آٹا مانا ہو گئی..... پھر صولت اور زارا کی کبھی بنی بھی تو نہیں۔ بس گئے پنے لوگ تھے۔“ اور وہ سر ہلا کر رہ گئے۔

”فردا کھانا لگواؤ بیٹا۔“

وہ ایک خوشگوار تاثر کے ساتھ اٹھ گئی۔

فردا فرحت آرا کے ساتھ خیابان آ گئی۔ صولت آرا نے طنز یہ نظروں سے ان کا استقبال کیا مگر نہیں مطلق پر واٹھیں تھی۔

”بھابی یا آپ نے اچھا نہیں کیا۔ خود گئی تھی تو خود ہی آ جاتی۔ جا کر لے آئیں۔ سر چڑھ جاتی ہیں بہوئیں۔“ انہیں سر پر چڑھا کر رکھنا چاہیے ہلا..... شیر ہو جاتی ہیں۔

”صولت وہ لڑ کر تھوڑی گئی تھی، ایسے ہی چلی گئی تھی مرنے کی وجہ سے۔ اب میں لے آئی ہوں۔ دونوں گھر اس کے ہیں جہاں مرضی رہے۔“ ارمان سے کہہ کر بات ختم کی۔

”میں آپ کی جگہ ہوتی تو ادھر ہی پنے چہو ادیتی۔ یہاں تک کہ حیدر خود آ کر ماکر گزرتا..... ان کا لہجہ کروفر لیے تھا۔

فرحت آرا..... انہیں دیکھنے لگیں۔ بعض لوگوں کی باتیں ریز جیسی ہوتی ہیں جتنا مرضی سمجھ لو..... جتنا طول دو..... طوالت اختیار کر لیں گی اور ان کا انجام بھگڑا..... ہوتا ہے۔“

اور فرحت آرا جھگڑا لو عورت نہیں تھیں۔

دن روکے پھیکے اور بے کیف تھے۔ خیابان میں بھی آج کل جمود طاری تھا۔ سب اپنے اپنے پہچان میں مصروف تھے۔ سب کے اے ون گریڈ آئے تھے۔ اس لیے محنت مسلسل جاری رہتی تھی۔ کبھی غزالی کے ساتھ مصروف ہو جاتی اور کبھی ثانی امی کے ساتھ بچن میں۔ اس گھر کا نظام زندگی اسے بے حد پسند تھا۔ بچن بڑوں کے ہاتھ میں تھا۔ مدد کے لیے لڑکیاں تھیں۔ صفائی اور کپڑوں کے لیے ماسی تھی مگر ان میں بھی آدھا کام لڑکیاں ہی کر لیتی تھیں۔

سب لڑکیاں گھریلو امور میں ماہر تھیں اور دلچسپی سے کام کرتیں۔ دن ان سہلہ کے ساتھ گزر جاتا۔

رات میں ممر کا خیال، اس کا احساس اور اس کا طرز تغافل اسے جگائے رکھتا۔ ممر ⁹ سے کیا سمجھ لیا تھا۔ کیا سوچتا تھا اس کے بارے میں..... کیا رائے رکھتا تھا..... کیوں؟..... اور اس کیوں کا جواب ممر ہی دے سکتا تھا۔ جس نے رائے رائے اختیار کی ہوئی تھی۔ ورنہ کوئی بھی کوہنہ اسے مہینوں پر میچلا نہیں ہوتا۔

اسے زارا کی شادی کا دکھ ہوگا۔

اس سے محبت کرنے لگا تھا۔

زارا نے کیا دھوکہ دیا۔ محبت کی پٹیلیں بڑھا کر کسی اور کی ڈوبی میں جا بیٹھی.....

کس قدر لوز کر لیٹھ کی تھی وہ..... فردا کو گھنٹی آئی۔

ممر آ گیا۔ اسے آتا ہی تھا اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر چونک گئے۔ سفر کی جھکن، اتر ہوا چہرہ، آنکھوں کے نیچے حلقے اور گری ہوئی صحت.....

اف!..... اتنی محبت کرتے تھے۔ زارا سے اس کی شادی کا اتنا دکھ تھا۔ فردا نے فطری ہمدردی اور دکھ سے سوچا۔ دونوں کے درمیان ایک گہری خاموشی سی تھی۔ فردا کو اس پر رحم آ رہا تھا۔

اگر یہ پہلے ہی مائی امی کو بتا دیتے تو زارا ان کی بن جاتی۔ وہ اتنی بڑی تو نہیں تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں سنہل جاتے۔“
لان کی میز جیوں پر بیٹھ کر عشق پیچاں کے پھول پتے توڑتے ہوئے ہمدردی اور آزر دہی سے سوچا۔
”آپ نے کلاس نہیں لی بھائی کی..... جانے کب ندیم اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا تو وہ چونک پڑی۔
”نہیں کیوں لیتے۔“

”ہاں آپ کیوں لیتیں وہ خود اپنی کلاس لے رہے ہیں، بچھتا رہے ہیں اور پشیمان ہیں۔“
”آپ سے اس پشیمانی کا اظہار کیا.....“ جبکہ کرار زواری سے پوچھا۔ وہ کوئی خواہجہ بندوے کی.....
”ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا.....
”ندیم!“ ہازک سی ہنسی مروڑ کر اسے دیکھا.....
”ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے ماں.....“
”ہیں!..... وہ گرتے گرتے چھا.....“

اور ان کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے وہ!..... اس کی جانب اشارہ کیا..... وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔
”تم لوگ ہی ان کی پسند کا اندازہ کر لیتے۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔
کسی اور کو دل میں بسا کر کسی اور کے ساتھ رہنا کتنا مشکل ہے ماں۔ فطری رحم دلی عود کرتی۔

”کیسی ناشکری ہیں آپ، شکر نہیں کرتیں کہ بچ گئیں۔ شکر اُن کے نسل پر اچیں..... اور محبت تھی ہی کب ان کے درمیان..... ان کے درمیان تو جسٹ فار چوک، جسٹ فار انجوائمنٹ تھا۔ سچیدگئی کب تھی اگر ایسا کچھ ہوتا تو بھائی بھی بے زبان نہیں تھے..... بول سکتے تھے اور موصوفہ بھی کافی بولد تھیں۔ ندیم کو غصہ آ گیا۔

”آپ معصوم ہیں یا بن رہی ہیں۔“ ایک ہنکار بھر کر سر جھکا لیا۔

”بھائی! یہ آپ کا گھر ہے اور بھائی آپ کے شوہر۔ گرفت مضبوط کریں، گھر سنبھالیں اور شوہر پر نظر رکھیں۔ آپ کے شوہر نامدار کانوں کے کچے ہیں اور نظر کے سچے.....“

فردا نے اسے گھورا.....

”ان کے کانوں میں روٹی لگائے رکھیں، تاکہ انہیں بھی احساسِ ندامت ہو۔“

”وہ ایسے نہیں ہیں.....“

”ندیم!..... ندیم!..... تمہارا فون ہے اوپر سے اولیس آوازیں دینے لگا۔“

”آیا..... بھائی..... چھلانگ لگا کر ندیم بھاگا۔“

فردا نے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔ ذہن ایک دم سے خالی ہو رہا تھا۔ ندیم کی باتیں..... مگر کارویہ اور تانی امی کا سمجھا..... فردا تمہاری عقل کہاں ہے؟..... کوئی اسے سرزنش کرنے لگا۔ سبھی دو سیز جی اوپر..... اس کے قریب آہٹ ہوئی۔

”تم اتنی جلدی فون سن کر آ گئے..... جان بخشی ہوئی ہے یا جان چھڑا کر آئے ہو۔“ ہنستے ہوئے مڑ کر دیکھا اور ہنسی کو بریک لگ گیا۔ دھیرے سے سیدھی ہوئی۔ مخصوص سی مہک اس کے قریب بکھرنے لگی۔ مگر اس کے بے حد قریب پچھلی سیز جی پر تھے۔

”تم..... ٹھیک تو ہوا“

نصحا منسا پھول منھی میں جکڑا ہوا تھا.....

”ندیم! اکل ٹھیک کہہ رہا تھا مگر بعض باتوں کا احساس ہمیں وقت گزرنے کے بعد ہوتا ہے مگر اس میں قصور ہمارا نہیں ہوتا۔ ہماری قسمت میں یونہی رقم ہوتا ہے۔ گھمبیری لو۔ گرم سا تاثر اس کے گرد بکھیرنے لگا۔

”کبھی کبھی آنکھوں پر ایسی پٹی بندھ جاتی ہے جو بمشکل کھلتی ہے اور کوئی کھپھلنے والا نہ ہو تو مشکل دو چند ہوتی ہے۔ ایسی ہی گھڑی مجھ پر بھی ٹھہری تھی۔ لال آندھی لاق وق صحرا اور بھنور کچھ سجائی ہی نہیں دیتا تھا اور میں شاید سمجھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ بعض چیزوں کا احساس ہمیں دور جا کر ہی ہوتا ہے۔ تم مجھے پسند ہو ورنہ یہاں نہ ہوتیں اگر زارا میری زندگی میں ہوتی تو تم یہاں نہ ہوتیں مگر زارا کی باتوں میں الجھ کر میں تم سے الجھ گیا حالانکہ میری شخصیت مضبوط ہے اور میں کانوں کا بھی کچا نہیں ہوں۔“ اس کے پشت پر بیٹھا وہ دھیرے دھیرے اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہا تھا اور اس کے دل کا بوجھ.....

گہری سانس لی اور دل کے مقام پر ہاتھ رکھا.....

دھیرے دھیرے دل کا بوجھ زائل ہو رہا تھا۔ وہ کون سی اما پسند اور مشکل شخصیت کی مالک تھی۔ پتلیں بھگینے لگیں۔

”مگر جانے کیسے..... بھگتا چلا گیا۔ اس میں قصور تمہاری خاموشی کا بھی تھا۔ تمہاری غفلت نے بھی کام دکھایا۔“

اس نے دھیرے سے سر اٹھایا۔ بیگی بیگی سی شام لان کی منڈیروں پر ٹھہر گئی تھی۔ دبیر کی ٹھنڈک روح میں سرایت کرنے لگی.....

”میں تو مکمل تھی، میں کب بھگی..... سر گھما کر اسے دیکھا۔

”مگر میں تو مکمل نہیں تھا اور تم نے میری تکمیل نہیں کی.....“ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”میں پیچھے بنا تو تم مجھ سے دور بھاگتی چلی گئیں اور لوگوں نے میرے گھر کو راستہ بنا لیا۔ تمہارے قریب نہیں آنے دیا۔ میں جو رات کو اتنی جلدی بستر پر لیٹتے ہی سو جاتا تھا۔ دور جا کر احساس ہوا کہ کیوں تنکے پر سر رکھتے ہی میں غافل ہو جاتا تھا۔“

فردا چوبیس کر اسے دیکھنے لگی۔ عمر نے گہری سانس لی۔

”رات کو میرے دودھ میں نیند کی گولیاں ڈالی جاتی تھیں اور دن میں اپنی اہواؤں سے کہیں اور دیکھنے ہی نہیں دیا جاتا تھا۔

فردا کے آنسوؤں میں اضافہ ہو گیا۔ سر گھما کر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ شانے سے ہوتا مڑ کا ہاتھ سر پر ٹھہر گیا۔

”میں تمہارا مجرم، چچا جان کا مجرم، اعتراف جرم کرتا تمہارے سامنے ہوں۔ ان کی اتنی پیاری بیٹی کو ہرے کیا ہر سزا کا مستحق ہوں۔“ دھیرے سے پیچھے سے اٹھا اور اس کے برابر میں اس کے پہلو میں آ بیٹھا..... اور اس کے انگلیاں رو جو کو پر اعتماد انداز میں بازو پھیلا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔“

اس کے آنسو ہر کے شانے پر بکھرنے لگے۔

کتنے خاموش لمحے اس درمیان میں گزر گئے۔ اس کی سسکیاں تھم گئیں اور ہر کی رکی ہوئی دھڑکنیں چل پڑیں۔

”فردا!“..... دھیرے سے بالوں کو ہلایا.....

اس نے سر اٹھایا اور دھیرے سارے رنگ برنگے پھول ان پر آ گرے۔ دونوں نے چوبیس کر سر اٹھایا۔ ٹیس پر انہیں اگلوٹھا دکھا کر وحش کرنا نہ ایم اندر غائب ہو گیا۔ دونوں ہی ہنس دیے۔

”تو کیا میں سمجھوں کہ میرے گناہ معاف ہو گئے ہیں۔ عمر اس کی جانب جھکے۔

”یہ میں نے کب کہا!..... نظر چرا کر آنچل سے چہرہ صاف کیا۔

”پھر!..... مسکرا کر اس کے ہنسنے کا لہجہ دیکھا۔

”نہیں! تو ہر مجرم کا حق ہے.....“ وہ ہاز سے مسکرائی۔

”اچھا۔“ اس کا دل کھل گیا۔ فردا کے انداز نے سرگوشی دی۔

صورت چاچی عظیم کو سمجھا رہی تھیں۔ زارا خوش قسمت تھی اسے بھائی جان نے مانگ لیا۔ اب وہ امریکا میں میس کر رہی ہے۔ عمر نے فردا کو چھوڑ دیا تو زارا کی جگہ اس نے لے لی۔ ایسا تاہل واما قسمت سے ملتا ہے.....

عمر سن رہا تھا اور زور و درجہ ہو رہا تھا کہ اتنے قریبی رشتے کیسی کیسی چالیں چلتے ہیں لالچ اور ہوس میں، کھانسی..... کمرے میں آ کر اپنا احتساب کیا۔

دوسروں کی چالوں کو ہم کامیاب بناتے ہیں۔ اپنوں پر سے اعتماد ختم کر کے خود کو قتلوم بنا کر۔

مگر اب نہیں..... اس نے خود سے وعدہ کیا اور فوراً ہی باہر نکل کر فردا کو تلاش کیا اور اعتراف جرم کر کے سرخرو ہوا جو انتہائی اعلیٰ ظرف اور بلند کردار کی لڑکی تھی۔

”بتاؤ کیا سزا دو گی اپنے مجرم کو؟“ اس کے اوپر جھکتے ہوئے کہا۔

”وہ محبوب سی ہو کر پیچھے ہٹی اور ریٹنگ سے لگ گئی۔

”کچھ نہیں.....“

”کیوں ابھی تو فرمان جاری کیا تھا سزا سنانے کا۔“

”سزا اور جزا کے چکر میں سارا وقت نکل جائے گا۔“ اس نے بے ساختہ کہا اور دانتوں تلے زبان دبا دی۔

مگر اس کے اس انداز محبوبیت پر کلک لگا اٹھا۔

”مگر بندہ تو خود کو سزا ضرور دے گا۔ تمہیں ڈھیر ساری شاپنگ کروا کر۔ دوپٹی میں ہنی مون منا کر اور تمہیں خوش خبری سنا کر کہ دوپٹی میں مجھے شاندار سے گھر کے ساتھ آفر ہوئی ہے پرکشش جاب کی اور میں نے اوکے کر دیا ہے۔ سب کی رضا مندی سے کچھ سال ہمہ ور رہیں گے یہاں سے تو پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ فردا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”یہ سزا ہے۔“

”خوبصورت سزا.....“ اس کی پیشانی سے اپنا سر ٹکرایا.....

”اور عید؟“

”عید منا کر جائیں گے۔ مہندی، چوڑیاں، جوڑا، بکرے سب دلائیں گے..... مگر بے حد شوخ ہو رہے تھے۔ اور اس کے، اس انداز پر وہ بے ساختہ ہنس دی۔ اپنی جنت سے، اپنے دل کے سکون سے ہم خود ہی تو دور ہوئے ہیں۔ اب نفحات کے پردے بٹے ہیں تو سب کتنا اچھا، ہلکا پھلکا اور خوبصورت لگ رہا تھا۔

وہ مگر سے نظریں چرا کر اٹھنے لگی تو مرنے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اب نہیں جان بہار..... ہر پل، ہر لمحہ سنگ سنگ رہنا ہے۔

میں تم اور یقین محبت..... مایہ حرا

فروا کی بات سن کر روما بحرِ تحیر میں جاگری.....

”تم مشترکہ خاندانی نظام میں ایڈ جسٹ ہو سکتی ہو۔ کیسے؟“..... سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”ایسے کیسے بتا دوں، پریکٹیکل کر کے بتاؤں گی۔“ ذو معنی مسکراہٹ عیاں تھی۔

”اف!..... رومانے کانوں کو ہاتھ لگایا۔“ تمہارے عزائم کتنے خطرناک ہیں۔ کہیں آنٹی نہ سن لیں۔“

”انہیں سنانے کے لیے ہی تو تمہیں بتایا ہے۔“

”کیا مطلب..... تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ کہاں سے کیڑا گھس گیا ہے دماغ میں اس کے نتائج تم جانتی ہو..... کتنے برے ہیں۔“

”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں روما۔“ اس کا انداز ہنوز برقرار تھا۔ ”میں وحشت کی دنیا سے نکل کر تنہائی کے چنگل میں نہیں اتر سکتی۔ یہاں کیا پن مجھے مار دے گا۔ امی کا خوف تھا، ان کا سوشل ورک اور ایک حلقہ تھا۔ ماما کو جوائنٹ فیملی سسٹم پسند نہیں تھا۔ پاپا کا بزنس تھا۔ اس لیے ماما شادی کے فوراً بعد الگ ہو گئیں۔ انہیں تنہائی، اکیلا پن راس آ گیا مگر میں اس تنہائی اور اکیلے پن کی وحشت کو باقی ماندہ عمر کے لیے برداشت نہیں کر سکتی۔“ مجھے شور و شراب، بلا گلہ اور ہنگامہ خیز زندگی پسند ہے۔ میں اپنے ارد گرد لوگوں کے ہنستے مسکراتے اور گنگنا تے چہرے دیکھنا چاہتی ہوں۔ فروا جانے کس خیال، کس دھن میں بولے چلے جا رہی تھے۔ رومانے سردنوں ہاتھوں میں تمام لیا۔

”یہ سارا کمال، اسٹارٹلس کے ڈراموں کا ہے اور دیکھو لوگ! تین تین گھنٹے تک ٹی وی۔ عکس اور برعکس میں بہت فرق ہوتا ہے تمہیں عقل نہیں ہے کیا۔ یہ ہنستا گا تا موسم، ماحول، گنگنا تے گدگداتے رشتے صرف اسکرین کی حد تک اچھے آتے ہیں۔ کمریلور مجبش، چپقلش ماروا سلوک اور رویے تیس منٹ کی مار ہیں۔ آدھے گھنٹے میں دس سال گزر جاتے ہیں۔ زندگی کے دس